اچھی مائیں
مصنّف
شیخ التفسیر و الحدیث استاذ العلماء رئیس التحریر
حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ العالی
سعادتِ اہتمام
حضرت علامہ سید حمزہ علی قادری مدظلہ العالی
عطاری پبلشرز
www.FaizAhmedOwaisi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

اچھی مائیں

مصنف

مفسرِ اعظم پاکستان، فیضِ ملت، آفتابِ اہلِ سنت، امام المناظرین، رئیس المصنفین

حضرت علامہ الحاج الحافظ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی قدس سرہٗ

با اہتمام

حضرت علامہ مولانا حمزہ علی قادری

ناشر

عطاری پبلشرز مدینۃ المرشد (کراچی)

تمھید

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد!

فاعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اسلام میں عورت کا مقام اورغیر مذاہب میں اس کی زبوں حالی:

عورت خواہ ماں کے رُوپ میں ہو، بیٹی، بہن کے رُوپ میں غرض ہر صورت اِس کی عزت وتکریم ہم پر واجب ہے۔ عورت جس کو اِسلام نے ایک خاص مقام ومرتبہ عطا کیا ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ اِسلام سے قبل اِس کی کتنی عزت وقدر کی جاتی تھی۔ دنیا کی تاریخ کا اگر مطالعہ کریں تو یہ بات ہم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اکثر اقوام عورت کی عزت نہیں کرتی تھیں۔عورت کو محض لونڈیاں اور پاؤں کی جوتی سمجھ کر اس پر شب وروز ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔قبل اَز اِسلام چین، روم یونان اور ہندوستان تہذیب اور تمدن کے گہوارے تصور کیے جاتے تھے۔ جہاں سے صحیح معنوں میں تہذیب وتمدن کی کرنیں پھوٹتی تھیں لیکن یہاں پر بھی عورت کو قطعاً اِحترام کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا ۔یہاں بھی عورتوں سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔اُس وقت کے ایک یونانی عالم سقراط کا کہنا ہے:

’’عورت سے زیادہ دنیا میں فتنہ اور فساد کی جڑ اور کوئی نہیں۔‘‘

اِسی طرح ایک انگریز مفکر کا بیان ہے کہ

’’عورتوں پر ظلم کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یورپ کے مختلف اوقات میں تقریباً نَوے لاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا گیا اور ہندوستان میں تو یہ رَسم کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔ان کے عقیدے اور مذہب کے مطابق عورت صرف ایک شادی کرسکتی ہے لہٰذا اگر اُس کا خاوند خواہ جوانی میں ہی فوت ہوجائے تو اُس کا اِس دنیا میں اپنے خاوند کے بغیر جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔لہٰذا اُسے بھی عین جوانی کے ہی عالم میں (اگر اُس کا خاوند فوت ہوگیا ہوتو) مرد کے ساتھ زندہ جلا دیا جائے۔اگر چہ آجکل ایسا زیادہ تو نہیں ہوتا۔لیکن پھر بھی اُس پر دوسری شادی نہ کرنے کی پابندی ضرور کردی جاتی ہے ۔یہ صورت حال ہندو دَھرم کی ہے۔‘‘

عرب میں عورت کی زبوں حالی

دوسرے ممالک کی طرح عرب میں بھی عورت کا حال زبوں تھا لیکن یاد رہے عرب کے مختلف قبائل اور خاندانوں کو ایک طرح سے اہلِ عرب کہہ کر تمام لوگوں کو مذہبی تمدنی اور اَخلاقی حالت میں یکجا کر دیتے ہیں۔ مثلاً چند قبائل اگر اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور عورتوں پر شبانہ روز ظلم وستم کی اِنتہا کر دیتے تھے تو ہم تمام عربوں کو اِس میں شامل کر لیتے ہیں۔ حالانکہ قطعاً ایسی بات نہیں ہے۔ عورت کے متعلق اہلِ عرب کے خیالات، احساسات اور نظریات کہیں پر نہایت ہی سادہ اور طبعی اور کہیں نہایت ہی غلط قسم کے تھے۔ قبل اَز اِسلام اہل عرب کسی شریعت کے پیروکار نہ تھے اور نہ ہی باقاعدہ طور پر کسی خاص ضابطہ اَخلاق کے پابند تھے، بدلتے ہوئے حالات اور وقتی ضرورتوں کے پیشِ نظر اِن کے نظریات وخیالات بدلتے رہتے تھے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ چڑھتے سورج کے پرستار تھے جیسے کہ آج کل بھی ہیں، عورت سے میل جول اور رکھ رکھاؤ کے لئے ہر مذہب اور ہر قبیلہ نے اپنے طور پر علیحدہ علیحدہ نظریات اور قوانین بنائے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کے ہر فرد کو اپنے قوانین کی پابندی کرنا پڑتی تھی اور عرب جن میں زیادہ تر خانہ بدوش تھے نہ تو کسی قاعدے اور قانون کے پابند تھے اور نہ ہی اپنے نظریات کو دوسری قوموں کے نظریات کے سانچے میں ڈھال کر یکجا کر سکتے تھے۔

قرونِ اُولیٰ میں عورت مرد کی نظر میں بدی کا مجسمہ تھی اور اکثر مذاہب کا خیال تھا کہ یہ عورت ہی ہے جس نے انسان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کو جنۃ الفردوس سے نکلوا کر تمام بنی نوعِ انسان کو مصائب وآلام اور مشکلات میں پھنسا دیا ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا اُن کے لئے ناممکن ہے۔

عورت کو نہ صرف بدی کا بلکہ ناپاکی کا مجسمہ بھی کہا جاتا تھا۔ اُن کے خیال میں لوگوں میں شہوانی جذبات اُبھارنے اور بھڑکانے والی ذات صرف اور صرف عورت کی ہے اور انسان جس سے شیطانی اَفعال سرزد ہوتے ہیں، اُن سب کی ذمہ داری عورت پر ہے لیکن عرب اِس نقطۂ نظر سے قطعی طور پر ناآشنا تھے اور انہوں نے کبھی غیر قوموں کی تقلید میں عورت کو ناپاکی اور بدی کا مجسمہ ٹھہرانے اور محض اِس بنا پر اس سے تحقیر آمیز سلوک کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔

رومیوں کی طرح عربوں نے عورت کے متعلق کوئی مخصوص اِجتماعی پالیسی وَضع نہیں کی۔ رومی ایک وسیع وعریض سلطنت کے مالک اور حاکم تھے اور اُن کے لئے سلطنت کے باشندوں اور اُن کے مختلف طبقات کے حقوق وواجبات کا تعین کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بنیادی حقوق وَضع کرتے وقت انہوں نے عورت کو اُن لوگوں کے زُمرے میں رکھا جو ہر طرح کمزور اور دوسروں کی مدد کے ہر ہر وقت محتاج ہوتے ہیں۔ اُنہیں عورت کی ذات سے کوئی دشمنی نہ

تھی ،لیکن اِس کی خلقی کمزوری اِس کے لئے وبالِ جان بن گئی اور کمزوروں ،ضعیفوں اورمحتاجوں کے ساتھ جو سلوک ممکن ہوسکتا ہے وہی عورت سے کیا گیا۔

لیکن عرب اِس تہذیب وتمدن سے بھی بالکل ناواقف تھے ،جواُن کے ہمسایہ ممالک میں رائج تھی اور جس میں باشندوں کو کئی طبقات میں تقسیم کرکے اُن کے ساتھ الگ الگ سلوک کیا جاتا تھا۔اُن کی طبیعت بدویانہ تھی اور وہ ملکی قوانین کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات کے پابند تھے اور نفسانی خواہشات وقت اور حالات کے مطابق رنگ بدلتی رہتی تھیں۔کبھی تو وہ عورت سے لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے اور کبھی اِس قدر تعظیم سے پیش آتے تھے کہ بیٹے کی نسبت باپ کے بجائے ماں سے کیا کرتے تھے۔تاریخِ عرب میں خال خال ہمیں یہ واقعات بھی ملتے ہیں کہ کسی شخص نے عورت کی عزت بچانے کی خاطر اپنے رقیبوں سے کچھ اِس طرح انتقام لیا کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں چنانچہ بنوبکر اور بنوتغلب کی باہمی لڑائی اس کی مثال ہے۔یہ جنگ چالیس سال جاری رہی۔

یہ اَمر بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ عرب تھے جو اپنی عزت وناموس کی حفاظت کی وجہ سے غربت کے باعث اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے اور یہ سلسلہ قیس بن عاصم سے شروع ہوا۔ایک جنگ کے دوران اُس کی نہایت ہی خوبصورت اور جوان بیٹی کو اُٹھا کر کے لے گئے۔قیس نے اُس کو بچانے کی کوشش کی اور جب وقت آیا تو اُس کی بیٹی نے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔اُس نے خانہ کعبہ کی دیواروں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اُس کے ہاں جو بھی بیٹی پیدا ہوگی اُس کو زندہ درگور کردے گا۔چنانچہ اُس نے ایسا کیا۔

عربوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ترکے میں سے اُن کو کچھ نہ ملتا تھا۔عرب کی کہاوت تھی کہ میراث صرف اُس کا حق ہے جو ہاتھ میں تلوار پکڑ سکتا ہو۔اِسی بنا پر چھوٹے بچوں سمیت عورتوں کو بھی وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں عین میدان جنگ میں فاتحین کے تصرُّف میں آجاتی تھیں ،اگر صُلح ہوجاتی تو عورتیں واپس کردی جاتیں۔

جہاں عربوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی عزت وناموس کی خاطر بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو فاقہ کشی ،غربت اور عیال داری کے باعث بیٹیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔اِس کا بیِّن ثبوت یہ ہے کہ صعصعہ بن ناجیہ نوزائیدہ بچیوں کو اُن کے والدین سے خرید لیا کرتا تھا اور خود اُن کی پرورش کرتا تھا ۔چنانچہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اُس نے اِس طرح لڑکیوں کو خرید کر اُن کی جانیں بچائیں اگر عرب محض عزت

وناموس کی حفاظت کی خاطر لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے تو وہ بھی انہیں مذکورہ بالا شخص کے پاس ہرگز ہرگز نہ بیچتے کیونکہ اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنے والوں کے نزدیک اِس سے زیادہ اور کیا بات عار کا موجب ہوگی کہ وہ اپنی لڑکی کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردیں۔

خود قرآن کریم بھی اِس اَمر کی تصدیق کرتا ہے کہ عرب اپنی لڑکیوں کو مفلسی کے باعث بھی قتل کیا کرتے تھے چنانچہ ارشاد خدا تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۱)

''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے۔''

عرب جو کہ ایک جزیرہ نما صحرا تھا۔ وہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان تک نہ ملتا تھا۔ عرب قبائل جہاں کہیں کوئی چشمہ اور نخلستان دیکھتے وہاں ڈیرہ لگا لیتے چونکہ چشمے بہت کم تھے اور آبادی زیادہ تھی اِس لیے ہر قبیلہ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ دوسرے قبیلے پر حملہ کرکے چشمہ پر خود قبضہ کرلے۔ لیکن چشمہ پر قابض قبیلہ بھی آسانی سے اپنی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا جگہ چھوڑنا اِن کے لئے موت اور ہلاکت کو خود آواز دینے کے مترادف تھی یہی وجہ تھی اِس قسم کے قبائل میں قومی غیرت بدرجۂ اَتم پائی جاتی تھی۔ وہ اپنی اپنی عورتوں کی عزت وناموس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز خیال رکھتے تھے۔ انہیں بجا طور پر یہ خیال رہتا کہ آج اگر ہم اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت وناموس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو کل کو ہم اپنے قبیلے کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام رہیں گے۔ ہمارے دشمن ہمیں تپتے ہوئے صحراؤں میں دھکیل کر ہماری ہلاکت کو نزدیک تر لے آئیں گے۔

جہاں عزت وناموس کی حفاظت پر کمربستہ رہنے کا سبب تنگیٔ رزق تھا وہاں لڑکیوں کو زندہ دَرگور کرنے کا سب سے بڑا سبب یہ بھی سمجھا جاسکتا تھا کہ اگر دشمنوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہوسکتا ہے ہم اپنی عورتوں کی عصمت اور اِن کی عزت وناموس کی حفاظت کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں اور دشمنوں کے ہاتھ آجائیں۔ اِس صورتحال سے عہدہ برآں ہونے کا بہترین طریقہ اُنہوں نے یہی سوچا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردیا جائے تاکہ آئندہ اِن کی عزت وناموس پر کوئی حرف نہ آسکے۔

اِسلام کی آمد سے پیشتر یہودیوں کے عقائد کے مطابق عورت کی معاشرتی حیثیت اِنتہائی پست تھی۔ اُن کے ہاں عورت کی گواہی کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ یہودی قانون کے مطابق تعددِ اَزدواج میں بیویوں کی کوئی

تعداد مقرر نہیں اور شادی شدہ عورت اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ کسی کے ساتھ عقد (معاہدہ) کرنے کی اہل نہیں ہے اور جو کچھ اِس کی ملکیت میں ہے وہ اِس کے شوہر کا ہے۔

بھارت کے قدیمی باشندے عورت کو بھی شُودر ہی تصور کرتے تھے۔ایک بھارتی وِدوان کا بیان ہے کہ عورت کے دو ہی کام ہندو دَھرم کے مطابق تھے ایک یہ کہ عورت دل بہلاوہ ہے، شُغل ہے اور مَرد کو خوش رکھنے کے بغیر اور کچھ بھی نہیں۔دوسرے جب عورت فارغ ہو تو وہ خاوند کے قدموں کی طرف بیٹھے۔یا پھر اُس کے پاؤں دبائے تاکہ اِس کے خاوند کی رَحمت ہمیشہ اِس بدنصیب پر رہے اور وہ دُھتکاری نہ بن جائے پس وہ ایک تو شغل کا سامان ہے اور دوسرے چرنوں کی داسی ہے......ویدانتی ہندو شاستر نے عورت کو زندہ اور کثیف ظاہر کیا ہے۔"

(ترجمہ اَز رسالہ سنت سپاہی امرتسر، اکتوبر ۱۹۵۲ء)

بسا اوقات عورت کو پیدا ہوتے ہی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ضربُ المثل مشہور تھی۔

ڈھول، گنوار، شودر، ناری
یہ سب تاڑن کے ادھیکاری

یعنی ڈھول، جاہل، شودر، حیوان اور عورت سے کام لینے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انہیں مار پیٹ کی جائے۔اِسی قسم کے خیالات کی بناء پر عورت کو پاؤں کی جوتی قرار دیا جاتا تھا۔باپ کی، خاوند کی یا اپنی اَولاد کی وراثت میں سے وہ کوئی حصّہ نہیں پا سکتی تھی۔پراچین زمانے کے ہندوؤں میں یہ رواج تھا کہ ایک عورت جس شخص سے بیاہی جاتی تھی، اِس کے مرنے پر اُسے اِس کے ساتھ زندہ جلنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

قبائل عرب:

بعض قبائل جو سَفا کی اور بے رحمی اور وَحشت میں لاثانی تھے۔یہ عورتوں پر کچھ اِس انداز سے مظالم ڈھاتے تھے کہ روح تک بھی لرز اُٹھتی ہے۔ایسے قبائل لڑائیوں میں اپنی حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیا کرتے تھے۔کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو اِتنا سرپٹ دوڑاتے کہ اِن کے ٹکڑے اڑ جاتے۔

غرض مجموعی حیثیت سے عورت بدترین مخلوق اور ہر قسم کے جبر و تعدی کا تختہ گاہِ مشق تھی جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی اُس کو سخت رنج ہوتا اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا۔

سورۃ النحل میں ہے،

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ ۝ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝ (پارہ۱۴،سورۃ النحل،ایت۵۹،۵۸)

''اور جب اُن میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اُس کا منھ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے۔لوگوں سے چُھپتا پھرتا ہے اِس بشارت کی برائی کے سبب، کیا اِسے ذلّت کے ساتھ رکھے گا یا اِسے مٹی میں دبا دے گا، اَرے بہت ہی بُرا حکم لگاتے ہیں۔''

اور ایسے لوگ ذلت کو قبول کرنے کے بجائے فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔

ابوحمزہ ایک رئیس تھا اُس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اُس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا اِس پر اُس کی بیوی اَشعار پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریاں دیتی تھی۔

ترجمہ: ''ابوحمزہ کو کیا ہوگیا ہے...... ہمارے پاس نہیں آتا...... ہمسائے کے گھر میں رات بسر کرتا ہے وہ اِس بات پر ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے۔خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے۔''

یہ کتنی ذلت کی بات تھی کہ وہ لوگ ہر چیز برداشت کرلیتے لیکن انہیں برداشت نہ تھی تو عورت وہ بھی اپنی لختِ جگر۔

﴿مزید عورت کی زبوں حالی کے واقعات﴾

مشکل سے کوئی مسئلہ ایسا ملے گا جس میں اس قدر کثرت کے ساتھ لوگوں نے اتفاق رائے سے کام لیا، جتنا عورت کے مسئلہ میں وہ متحدُ الخیال ہیں۔مطالعہ ٔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے شاذ صورتوں کے ہر شخص نے اِسی پر زور دیا ہے کہ عورت کی فطرت مرد کے مقابلہ میں بہت کمزور اور ادنیٰ ہے، حتیٰ کہ زمانہ قدیم میں یہی اَمرِ مابہ النزاع تھا کہ عورت کے پاس نفس بھی موجود ہے یا نہیں۔

ہندو چین، یونان وروما میں بھی جو تہذیب وشائستگی کے گہوارے سمجھے جاتے تھے۔عورت سے احتراز کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی جیسا کہ اِن کی روایاتِ علمُ الاصنام سے ثابت ہوتا ہے۔چنانچہ خود جیوپٹر سے ایک دیوتا نے پوچھا کہ ''سلسلہ تناسل کے مسئلہ میں تو ہمیں عورت کی طرف سے بے نیاز نہیں بنادیتا'' (اور شاید اسی غرور کی سزا ہے کہ اب میکانکی سے توالد وتناسل کا طریقہ زیرِ غور ہے جس میں مرد کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی) ایک جگہ اور اِسی قسم کی درخواست پیش کی گئی کہ ''اِس آفتاب کے نیچے مردوں پر عورتوں کی بلا کیوں مُسلط کی گئی ہے۔''

عورت سانپ سے بدتر

بروایت انڈرومیکی یونانیوں کا خیال عورت کے متعلق اِن کے اِس فقرہ سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ

''آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔''

عورت فتنہ وفساد

سقراط کہتا ہے کہ عورت سے زیادہ فتنہ وفساد کی چیز دنیا میں اور کوئی نہیں۔ وہ دفلی کا درخت ہے کہ بظاہر بے انتہا خوبصورت وخوش نما نظر آتا ہے، لیکن جب کوئی چڑیا اِسے کھاتی ہے تو مر جاتی ہے۔ افلاطون کا قول ہے کہ

''جتنے ذلیل وظالم مرد ہیں، وہ سب نتائج کے عالَم میں عورت ہو جاتے ہیں۔''

پھر عورت کی ذلت کا خیال صرف حکماء وفلاسفر ہی کے دماغ میں مرکوز نہ تھا، بلکہ مذہبی دنیا میں بھی اِس کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قدلیس برنار کہتا ہے کہ ''عورت شیطان کا آلہ ہے''۔

عورت امن کی دشمن

یوحنا دمشقی کا قول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: ''عورت امن وسلامتی کی دشمن ہے۔''

بلکہ روایاتِ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خود اپنی ماں کو جھڑک دینا ظاہر ہے۔

جانور کی طرح ذبح کی جاتیں

یورپ اور علی الخصوص رومۃ الکبریٰ جو عیسویت کا مرکز تھا اور جہاں مبلغین اَمن کی جماعتیں ہر جگہ تعلیماتِ مسیح کی تبلیغ کرتی ہوئی نظر آتی تھیں، اِس لحاظ سے اِس قدر گرا ہوا تھا کہ مشکل سے اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے۔ یہاں عورتوں کی حالت لونڈیوں سے بدتر تھی، اِن پر ایک جانور کی طرح حکومت کی جاتی تھی اور یقین کیا جاتا تھا کہ اِس طبقہ کو آرام وآسائش کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ذرا ذرا سے قصور میں یہ ذبح کر دی جاتی تھیں اور محض بے بنیاد الزامات پر آگ میں ڈال دیا جاتی تھیں۔ سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں جب جادو کا اعتقاد نہایت رسوخ کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا تھا، اُس وقت اکثر صورتوں میں غریب عورت ہی پر الزام رکھا جاتا تھا اور وہی ظلم کا شکار ہوتی تھی۔

عورتیں جلائی جاتیں

الگزنڈر ششم (Alexander VI) نے ۱۴۹۴ء میں، لوئی دہم نے ۱۵۲۱ء میں، اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں

جس بے دردی کے ساتھ عورتوں اور اُن کے بچوں کو سحر کے اِلزام میں ذبح کیا، اِس سے تاریخ یورپ کے صفحات رنگین ہیں۔ ملکہ الزبتھ اور جیمس اوّل کے عہد میں ہزاروں عورتوں کا اِس جرم میں جلایا جانا اور لانگ پارلیمنٹ کے زمانہ میں سولی دیا جانا تاریخ کے کھلے ہوئے واقعات ہیں۔

عورتوں پر ظلم

اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ جیمس ششم جب ڈنمارک سے شادی کر کے واپس آیا تو اُس سے کہا گیا کہ چند عورتوں نے راستہ میں جمع ہو کر طوفان برپا کرنے کا سحر کیا، چنانچہ یہ عورتیں گرفتار کی گئیں اور اقبالِ جرم کے لئے انھیں جسمانی سزائیں دی جانے لگیں اور جب اِس تکلیف سے عاجز آ کر انھوں نے اقبال کیا تو سب کی سب ذبح کر دی گئیں۔

زندہ جلا دی گئیں

اِس طرح اِنگلستان میں عورتوں کو سزا دینے کے لئے ایک خاص مجلس وضع کی گئی جس نے عورتوں پر ظلم کرنے کے لئے جدید قوانین مرتب کئے، اَلغرض سارے یورپ نے اِس صنف پر ستم کرنے کا عہد کر لیا تھا جس کا نتیجہ بقول ڈاکٹر اسپرنگ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے نوّے (۹۰) لاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا۔

کسمپرسی

چونکہ زمانہ قدیم میں عورت ایک جنسِ کاسد کی حیثیت رکھتی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ اس کی اخلاقی حیثیت اِس وقت کس درجہ زبوں رہی ہوگی۔ ایران میں بیوی اور بہن کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا، مشرق کے نصاریٰ نہ ماں کو ماں سمجھتے تھے اور نہ بہن کو بہن اور ہندوؤں کے ہاں ایک عورت متعدد بھائیوں کی بیوی بن سکتی تھی۔ پھر لطف یہ ہے کہ نہ شریعت موسوی نے اِس طرف توجہ کی نہ حضرت داوٗد علیہ السلام اِس کا کوئی مداوا کر سکے اور جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت اِس باب میں کامیاب ثابت نہ ہوئی' اِسی طرح مسیح کی صلح کُل رسالت بھی اِس طبقہ کی فریاد کو نہ پہنچ سکی۔ اِسی کے ساتھ ہندوستان میں نہ وید مقدس نے عورت کی اخلاقی حالت کو بلند کرنے کی کوشش کی اور نہ بودھ نے اِس صنف کے لئے کوئی قانون مقرر کیا۔

عورتیں شیطان ہیں

سرزمین عرب میں بھی جہاں آخر کار نبی آخر الزماں ﷺ نے ادیانِ سابقہ کی اِس فروگذاشت کی پوری تلافی کرنے کا

عزم اُستوار کرلیا' عورت کا شمار بدترین مخلوقاتِ عام میں سے تھا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے؛

ان النساء شیٰطین خلقن لنا

نعوذ باللّٰہ من شر الشیاطین

جب رئیس بہراہ کی لڑکی نے انتقال کیا تو ابوبکر خوارزمی نے اِن الفاظ میں اظہارِ تعزیت کیا کہ:۔

اگر تم اِس کے ستر وحجاب اور اِس کی صفاتِ حمیدہ کا ذکر کرتے۔تو تمہارے لئے بہ نسبت تعزیت کے تہنیت زیادہ موزوں ہوتی، کیونکہ نا قابل اظہار چیزوں کا چُھپ جانا ہی بہتر ہے اور لڑکیوں کا دفن کرنا ہی سب سے بڑی فضیلت ہے ۔ہم ایسے زمانہ میں ہیں کہ اگر کسی شخص کی بیوی، اس سے پہلے مرجائے تو گویا اس کی نعمتیں مکمل ہوگئیں اور اگر بیٹی کو اُس نے قبر میں اُتار دیا تو گویا اپنے داماد سے پورا انتقام لے لیا۔

ایک شاعر کا قول ہے کہ:

تھوی حیاتی واھوی موتھا شفقا

والموت اکرم نزال علے الحرم

(وہ میری زندگی چاہتی ہے اور میں ازروئے شفقت اس کی موت چاہتا ہوں کیونکہ موت عورت کے حق میں عزیز ترین مہمان ہے)

اِن کے علاوہ بے شمار ذلتیں عورت کی قسمت میں لکھی تھیں جنھیں وہ بے چاری خاموشی سے برداشت کرتی رہیں۔لیکن اسلام میں جتنی عورت کو اہمیت دی گئی ہے کسی مذہب میں اِس کو نصیب ہونے کا امکان تک نہیں۔لیکن افسوس اِس خاتون پر کہ وہ اسلام کے احسانات بھلا کر اُن دشمنانِ اسلام کے گن گاتی ہے جن نے اِسے ذلت وخواری کے گھاٹ اُتار رکھا تھا، یعنی اسلام دشمن انگریز کی متوالی ہے اور اسلام سے سخت نفرت۔

اناللّٰہ وانا الیہ راجعون٥

﴿اسلام میں عورت کا مرتبہ﴾

اسلام نے عورت کے حقوق کے لئے ایسا قانون پیش کیا اور تعلیم وتربیت کے جس اصول کو پیش نظر رکھا وہ یقیناً ضامن تھا عورت کی مکمل ترقی کا، ہمارے پاس مثالیں موجود ہیں کہ سرزمینِ عرب جہاں عورت کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا جاتا تھا۔اِس تعلیم کی بدولت چند دنوں میں ''نسائیت'' کے وہ وہ نمونے پیش کئے کہ اب مشکل سے اُن کی نظیر مل سکتی ہے۔

اگر اسلام نے ایک طرف:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ

کہہ کر عورت کے لئے تعلیم وترقی کا دروازہ مردوں کے دوش بدوش کھول دیا تو دوسری طرف اُن کو اخلاقی تعلیم دے کر یہ بھی بتایا کہ اِس لحاظ سے اُن کی حالت ''آبگینوں'' کی طرح ہے جو ذرا سی ٹھیس سے چُور چُور ہو جاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ اسلام نے عورت کا مرتبہ کس قدر بلند کر دیا اور اِس طبقہ میں کیسی اصلاح کی۔

اسلام کی محبت

اور اسلام کی محبت تو اُن کے دل میں ایسی رچ بس گئی کہ وہ جان دینے سے گریز نہ کرتیں۔ ہزاروں سختیاں قبول کر لیتیں لیکن اسلام سے انحراف انہیں گوارہ نہ تھا چنانچہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے جب اسلام قبول کیا تو کفار نے انھیں سخت اذیتیں دینا شروع کیں یہاں تک کہ گرم ریت پر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے اور وہ تلملایا کرتی تھیں۔ ایک دن وہ اسی حال میں زمین پر تڑپ رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا آپ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ ''سمیہ رضی اللہ عنہا گھبراؤ نہیں صبر کرو، جنت تمہارا ٹھکانہ ہے۔'' یہ وہ اذیت تھی کہ اگر مرد بھی کوئی اُن کی جگہ ہوتا تو اسلام کو ترک کر دیتا، لیکن وہ آخر وقت تک ثابت قدم رہیں اور کوئی اذیت انہیں اسلام سے منحرف نہ کر سکی۔ یہ تھی عزم واستقلال کی وہ روح جو اسلام نے اپنی ماؤں کے اندر پیدا کی تا کہ اُن کی اولاد بھی اسی ارادہ وثبات کو لے کر پیدا ہو جس سے ایک قوم کا مستقبل تیار ہوتا ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبل اسلام لانے کے اپنی بہن کو جس قدر تکلیفیں پہنچائیں، وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہیں اور صُلح حدیبیہ کے بعد بہت سی صحابیات کا اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ دینا بھی تاریخ کا روشن واقعہ ہے۔

عبادات

عبادات کے سلسلہ میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد مخصوص چیزیں ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اُن کی پابندی کماحقہٗ ادا کرنا بہت مشکل ہے، لیکن آپ دیکھیں گے کہ اِس باب میں اسلام نے اپنی عورتوں کے اندر بھی وہ روح پیدا کر دی تھی، جو دوسرے مذہب کے مردوں میں بھی نظر نہیں آتی۔ اِس کے ساتھ جذبۂ ایثار وفدیت کا جو رنگ تھا وہ اور سونے پر سہاگہ تھا۔

عورت کی قدر دانی

اسلام نے عورت کی اتنی قدر بڑھادی کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ جیسے ذی جاہ وجلال اُس کے سامنے خود کو ایک معمولی انسان دکھاتے ہیں۔

جذبۂ جہاد

جب غزوہ اُحد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کفن کے لئے دو کپڑے لائیں، تو آپ نے دیکھا کہ اُن کی لاش کے پاس ایک اور انصاری کی بھی برہنہ لاش پڑی ہوئی ہے، آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اپنے بھائی کو وہ دو دو کفن دیں اور اُس انصاری کو نظر انداز کردیں۔ چنانچہ آپ نے ایک کفن اُس انصاری کے لئے قرعہ کے ذریعہ سے علیحدہ کردیا۔

امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ اصحاب کے ساتھ جارہے تھے۔ راستہ میں ایک عورت ملی جس نے عمر رضی اللہ عنہ کو روکا۔ آپ رُک گئے اور سر جھکا کر دیر تک باتیں سنتے رہے اور جب تک اُس نے بات ختم نہ کی آپ کھڑے رہے۔ ساتھیوں میں ایک نے عرض کیا۔ آپ نے قریش کے سرداروں کو اس بڑھیا کے لئے اتنی دیر کھڑا کیا، فرمایا: جانتے بھی ہو یہ کون ہے؟ یہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت سات آسمانوں پر سنی گئی۔ خدا کی قسم! اگر یہ رات تک مجھے کھڑا رکھتی تو میں کھڑا رہتا بس نمازوں کے اوقات میں اِس سے معذرت کرلیتا۔

ابنِ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے استیعاب میں قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ خاتون راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملیں تو آپ نے اُن کو سلام کیا۔ یہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہنے لگیں ''اے عمر! ایک وقت تھا جب میں نے تم کو بازارِ عکاظ میں دیکھا۔ اُس وقت تم عمیر کہلاتے تھے۔ لاٹھی ہاتھ میں لئے بکریاں چراتے پھرتے تھے۔ پھر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ تم عمر کہلانے لگے۔ ذرا رعیت کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے اُس کے لیے دُور کا آدمی بھی قریبی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے، اور جو موت سے ڈرتا ہے اُس کے حق میں اندیشہ ہے کہ وہ اُسی چیز کو کھو دے گا جسے بچانا چاہتا ہے۔'' اِس پر جارود عبدی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، بولے: ''اے عورت تو نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت زبان درازی کی۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''انہیں کہنے دو! جانتے بھی ہو، یہ کون ہیں؟ اِن کی

بات تو سات آسمانوں کے اوپر سنی گئی تھی۔عمر کو تو بدرجہ اولیٰ سننی چاہئے۔" امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تاریخ میں اختصار کے ساتھ اِس سے ملتا جلتا قصہ نقل کیا ہے۔

غور فرمایئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بارعب بزرگ ایک معمولی سی نسبت سے ایک عورت کے سامنے سرنگوں ہیں۔

اسلامی عهدے عورت کے هاته میں

اسلام کی تاریخ میں عورتیں فقیہہ اور محدث کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ محتسب کے عہدہ پر بھی فائز رہی ہیں۔اور علمی خدمات کا مرتبہ عہدہ یعنی شعبۂ تدریس تک عورت کو نصیب ہوا۔مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ عورتیں مسجدوں میں درس دیتیں،وعظ کرتیں اور مشہور مرد طالبانِ علم اُن کے حلقۂ درس میں شرکت کرتے اور اُن سے اَسناد یا اِجازت نامے حاصل کرتے۔تاکہ جس نصاب میں انہوں نے شرکت کی تھی اسے دوسروں کو سکھائیں۔نہایت مشہور عورتوں میں سے ایک شہدہ بھی تھیں۔جن کا لقب اُن کی وسیع علمی شہرت اور پاکیزہ خط کی وجہ سے "افتخار النساء" اور "کاتبہ" تھا۔

شہدہ کی ایک ہم عصر خاتون زینت نیشاپوری نے تعلیم دینے کی اجازت کئی ممتاز مردوں سے حاصل کی تھی۔جس کے تلامذہ میں اِس دور کا سوانح نگار ابن خلکان بھی شامل ہے۔سیاح ابن بطوطہ ۱۳۲۶ء میں شام سے گزرتے وقت دمشق میں دو عورتوں کے درس میں شریک ہوا۔روحانی زندگی میں عورت بلند ترین مراتب تک پہنچی۔مسلمانوں کا تذکرہ وتراجم ولی عورتوں کے ناموں سے بھرا پڑا ہے۔حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا آٹھویں صدی کی بصرہ کی ایک ممتاز صوفی خاتون تھیں۔اِن کے بہت سے مرید تھے جو اِن سے روحانی علم حاصل کرتے تھے۔اُن کے علاوہ اسلامی تاریخ عورتوں کی عزت افزائی واحترام کے بیانات کی منہ بولتی تصویر ہے۔

میری مراد

فقیر نے تمہید طویل کردی تاکہ عورت اپنا ماضی اور مستقبل خوب سمجھ سکے جب اسلام نے اُس کی عزت اَفزائی فرمائی ہے تو اُسے اسلام کی شیدائی ہونا چاہیے۔بالخصوص جب ماں بننے کا شرف نصیب ہو تو وہ اپنی اولاد کی تربیت اِسلامی طریقے سے کرے،تاکہ اُس کی اولاد حضور غوث الاعظم جیلانی اور سیدنا اجمیری اور غزالی ورازی رحمہم اللہ کا نقشہ پیش کرے۔

فقیر "اچھی مائیں" کا مضمون سپرد قلم کرتا ہے۔ خدا کرے کہ فقیر کی یہ کوچہ نویسی اچھی ماؤں کے کام آئے۔ فقیر اور ناشر کے لئے توشۂ آخرت اور عوام اہلِ اسلام کے لئے مشعلِ راہ ہدایت ثابت ہو۔ آمین

بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلے اللّٰہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلی آلہ واصحابہ وعلی من عندہ .

امّا بعد!

اسلام نے اللہ ﷻ ورسول ﷺ کے بعد ماں باپ (معنوی ہو یا ظاہری) کی تعظیم وتکریم اور برّ واحسان کا حکم فرمایا ہے۔ متعدد مقامات پر قرآن مجید میں اِس کا ذکر آیا ہے۔ اَحادیث کا تو شمار نہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

۱) وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ٥ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ٥ (پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۳،۲۴)

" اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اُس کے سوا کسی کو نہ پُوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے اِن میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اِن سے ہُوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور اِن سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور اِن کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو اِن دونوں پر رحم کر جیسا کہ اِن دنوں نے مجھے چھٹپن (بچپن) میں پالا۔"

فائدہ: اِس آیت میں پروردگار عالم ﷻ اِنسان کو تاکید فرما رہا ہے کہ سب سے بڑھ کر آدمی پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرے یعنی اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِس کو پیدا کیا ہے۔ پھر ماں باپ کا حق ہے جب ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کی ہر طرح کی پرورش اور تربیت دنیا میں ماں باپ کرتے ہیں۔ اِس لئے اُن کی فرمانبرداری اور شکر گذاری کی تاکید فرمائی ہے۔

۲) وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّ فِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ

اِلَیَّ الْمَصِیْرُ o (پارہ ۲۱،سورۃ لقمان، ایت ۱۴)

''اور ہم نے آدمی کو اِس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی اِس کی ماں نے اِسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اِس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔''

فائدہ: اِس آیت میں ماں کا حق باپ سے زیادہ فرمایا اس لئے کہ وہ کئی مہینے تک پیٹ میں لئے پھرتی تھی اور تھک تھک جاتی تھی اور بڑی تکلیف کے ساتھ اُس کو جنا اور پھر دو سال تک اپنی چھاتی سے دودھ پلایا اور کیسی کیسی سختیاں اور تکلیفیں جھیل کر بچے کی تربیت فرمائی اور اپنے آرام پر اُس کے آرام کو ترجیح دی۔ اِس لئے ماں کا احسان اور اِس کی شکرگزاری باپ سے زیادہ ہوئی۔

۳) وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ o

(پارہ ۲۶،سورۃ الاحقاف، ایت ۱۵)

''اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے اِس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اُس کو تکلیف سے اور اُسے اُٹھائے پھرنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس (۳۰) مہینہ میں ہے یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس (۴۰) برس کا ہوا عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں۔''

فائدہ: ماں باپ سے احسان اور اِن کی تعظیم وتکریم کی ایک علت تربیت کو بتایا گیا ہے۔ تربیت ماں باپ دونوں کرتے ہیں۔

تربیتِ اولاد

بچے بچی کی ابتدائی تربیت ماں کے ذمہ ہے یہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہے جو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ یوں روایت کرتے ہیں:

قال سمعت رسول اللہ ﷺ المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا وولدہٖ کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ

ترجمہ: فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم (ﷺ) سے سنا کہ عورت خاوند کے گھر کی نگہبان وذمہ دار ہے اور اُس کی اولاد کی بھی، تم تمام کسی نہ کسی رعیت کے امیر ہو اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جانے والا ہے۔

اِس حدیث میں ماں کو راعیۃ (نگہبان وذمہ دار) اور اولاد کو رعایا قرار دیا گیا ہے اور یہ خبر دی گئی ہے قیامت کے دن اِس سے اُس کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔ اچھی تربیت دینے کی صورت میں اولاد اِس کے لئے صدقۂ جاریہ اور بلندئ درجات کا سبب ثابت ہوگی، اور دوسری صورت میں وبالِ جان۔

اسی لئے ماں کا فرض ہے کہ بچے، بچی کی تربیت اسلامی ماحول کے مطابق کرے کیونکہ غیر اسلامی ماحول میں پرورش پانے والی اولاد ماں باپ کے حقوق سے بالکل بیگانہ اور ان کی خدمت سے لاتعلق ہوتی ہے۔ اس بات کا علم غیر اسلامی ممالک اور اپنے ماحول کے مشاہدہ اور اخبارات کے مطالعہ سے ہوتا ہے جہاں اولاد کثرت سے ماں باپ کی نافرمانی کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور یہ نافرمانی اب صرف زبان تک ہی محدود نہیں نہ رہی بلکہ عاشق معشوق کے سلسلہ میں گمراہ بیٹے بیٹیوں کے ہاتھوں ماں باپ کا قتل معمول بن چکا ہے جب کہ نیک اولاد کے حالات اِس کے برعکس ہوتے ہیں۔

تاکیدِ تربیت

دورِ حاضرہ میں اولاد کی تربیت کی طرف توجہ نہیں، شاید اِسے ایک معمولی اَمر سمجھا جاتا ہو۔ کوئی صاحبِ دل خود ہی غور فرمائے تو بات واضح ہو جائے گی بالخصوص مائیں خصوصیت سے توجہ فرمائیں کہ قرآن وحدیث کی رُو سے اولاد کی تربیت کی اکثر ذمہ داری والدہ پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت سے ائمہ کرام اِس کی تائید کرتے ہیں مثلاً

علّامہ ابن الجماعہ رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانہ کی عورتوں کی تربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کل سب سے اہم کام بچوں کی تربیت ہے۔ اِس لئے ماؤں کو صبح صادق سے لے کر شام تک اِسی کام کیلئے محنت کرنی چاہئے۔ علّامہ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں کہ ماؤں کو چاہیے کہ بچوں کو آہستہ بولنا اور راستہ میں نظر جھکا کر چلنا سکھائیں۔

علّامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ دنیا میں تربیت اولاد سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں اور بچوں کی دماغی صلاحیتوں کی حفاظت جس قدر ضروری ہے اتنی اور کوئی چیز نہیں۔ اِسی وجہ سے ایک مسلمان ماں دن رات اِسی کام میں مُنہمک رہتی ہے اور وہ اپنے بچے

کی تربیت اِس غرض سے نہیں کرتی کہ اُس کا بچہ اُس کے مستقبل کا سہارا بنے گا بلکہ اِس لئے کرتی ہے کہ یہ اِس کی قوم کی امانت ہے اور یہ اِس کا اسلامی فرض ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے فلسفہ میں کہتے ہیں کہ ماؤں کو اولاد کی تربیت کرتے وقت یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بچے اِن کے ہیں بلکہ یہ اِن کی قوم کے ہیں اِن کی خرابی اِن کی اپنی نہیں بلکہ قوم کی خرابی ہے اور بچے کو خراب تربیت دینا قوم کی خیانت ہے جس کا بدلہ چکایا نہیں جاسکتا۔ اِس لئے بچے کو شروع سے ہی صحیح عقائد و عبادات، حسنِ اخلاق، حسنِ معاشرت اور حسنِ سلوک و حسنِ عمل کا ایسا مجموعہ بنا دینا چاہیے کہ تا عمر اُس سے اِن صفات کا ظہور ہوتا رہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے مقالات میں لکھتے ہیں کہ ماں کی گود بچے کا ابتدائی مکتب ہے اگر ابتدا سے ہی بہتر تربیت ہو جائے تو آخر تک اسی طرح تعلیم بہترین ہوتی جائے گی ورنہ دوسری صورت میں بچے کی اِصلاح بعد میں نا ممکن ہے۔

مذکورہ بالا تمام اَقوال سے اِس بات کی تائید ہوتی ہے کہ تربیتِ اولاد کی یہ ذمہ داری سب سے زیادہ ماں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ بچے کا اکثر وقت ماں کے پاس ہی گزرتا ہے اور ماں کی گود ہی بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے کیونکہ وہی بچے کو اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سکھاتی ہے۔ اگر بچے کو یہی حرکات و سکنات اِسلامی تعلیمات کے مطابق سکھا دی جائیں تو اسی کا نام ''تربیتِ اسلامی'' ہے۔

مشترکہ ہدایات برائے تربیتِ اولاد

تربیت اولاد کی تفصیل تو فقیر نے اپنی دو تصانیف ''ھدیۃ لعباد فی تربیت الاولاد'' اور ''نفع العباد فی تربیتہ الاولاد'' میں لکھ دی ہے یہاں چند ہدایات بقدر ضرورت عرض کر دوں۔ سب کو معلوم ہے کہ انسان کی پیدائش مادہ منویہ سے ہوتی ہے اور اس مادہ کی اصل خوراک ہے اگر خوراک حلال کمائی سے ہے تو بچے غوث جیلانی اور رابعہ بصریہ اور معین اجمیری (رحمۃ اللہ علیہم) جیسے پیدا ہوتے ہیں۔ ورنہ ڈاکو، چور اور لفنگے، بدمعاش وغیرہ۔ فلہٰذا ماں باپ دونوں کو چاہیے کہ نیک اولاد کی پیدائش کی خواہش میں پہلے اپنی اصلاح فرمائیں یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا حکم ہے کہ مرد نیک صالح عورت سے نکاح کرے اور عورت نیک صالح مرد سے۔

جن بندگانِ خدا کو نکاح جیسی دولت نصیب ہو تو وہ جماع (صحبت) میں ذیل کی ہدایات پر عمل کریں۔

۱ جماع سے نیک اولاد کی پیدائش کی نیت ہو۔

۲ جماع سے قبل زن وشوہر نماز کا وضو کر لیں۔

۳ کسی ایسے تنہا مکان میں جہاں کسی کا وہم وگمان نہ ہو، بہتر وقت شب کا آخری حصہ اور شبِ جمعہ ہو۔

۴ قبلہ رُو نہ ہو۔

۵ جماع سے پہلے زن وشوہر یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ وَجَنِّبْنَا عَنْہُ.

(ورنہ شیطان شریک ہوتا ہے اور بچہ ام الصبیان اور مرگی کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔) (کذافی حواشی النمبر اس)

۶ جماع کے وقت کسی نیک بزرگ کا تصور بندھا ہو۔

۷ بعد فراغت اگر لڑکے کی پیدائش کا ارادہ ہو تو عورت فوراً دائیں پہلو پر لیٹ جائے اگر لڑکی کا ارادہ ہو تو بائیں کروٹ اگر اولاد کی پیدائش کا ارادہ نہ ہو تو عورت فوراً سیدھے پاؤں کھڑی ہو جائے۔

۸ بعد فراغت تھوڑی دیر بعد غسل کر لیں اس میں صحت وتندرستی بھی ہے اور مرتے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بھی زیارت ہوگی۔ ورنہ کم از کم وضو ضرور کر لیں۔ (کذافی الحاوی للفتاوی للسیوطی)

۹ جماع کے وقت باتیں نہ کریں۔ (کذافی کتب الطب)

انتباہ

اولاد کی کثرت کے خطرہ سے منصوبہ بندی کی ادویہ استعمال کرنا حرام اور سخت حرام ہے۔ اولاد ایک نعمتِ عظمیٰ ہے اس کی روک تھام اللہ تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج کرنا ہے وہ بے نیاز ہے اس کی قدرت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے پھر کل قیامت میں اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے رسوائی سوا۔ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کثرت اولاد سے خوش ہوتے ہیں۔ (اس کے لئے فقیر کا رسالہ ''قہر خداوندی در عمل منصوبہ بندی'' کا مطالعہ ضروری ہے۔)

کما قال علیہ السلام تناکحوا وتناسلوا فانی اُباھی بکم الا مم یوم القیٰمۃ.

شادیاں کرو اور بہت بچے جنو۔ کل قیامت میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا۔

جب نطفہ ماں کے پیٹ میں ٹھہر جائے تو عورت اپنی غذا میں حلال کھانے پینے کی خصوصی احتیاط کرے اور یادِ الٰہی اور عبادت خداوندی کی کثرت کرے تاکہ اس کے نیک اثرات بچہ پر پہونچیں۔ (ایسا کرنے سے اولاد ولی پیدا ہوتی ہے۔)

مزید مشترکہ ہدایات

۱ دنیا کا ہر انسان انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء کرام ہوں، شاہان زماں ہوں یا بہادران دوران سب کو بچپن سے گزرنا پڑا اور چونکہ انسان کا بچپن ہی آنے والی زندگی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اکثر و بیشتر بچپن سے ہی اس کے آثار نمودار ہوتے ہیں اسی لئے ماں باپ پر لازم ہے کہ بچپن سے ہی بچے کی اچھی تربیت کریں۔

۲ جو بات بچپن میں ہی اثر کر جاتی ہے وہ نقشِ پتھر ہوتی ہے اسی لئے والدین کا فرض ہے کہ بچوں کے سامنے ایسے اقوال وافعال اور طور اطوار پیش کریں جن سے وہ تمہاری عمر میں آکر انہی خطوط پر زندگی بسر کریں بالخصوص ماں کا دودھ بچے کے لئے اچھے کردار، تربیت اور بہترین زندگی کا سرمایہ ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ

"انسان کا پہلا استاد ماں کی گود ہے۔"

۳ بچے جب سنِ شعور کو پہونچیں تو انہیں نیک لوگوں کے حالات سنائے جائیں۔

فقیر کو تا حال یاد ہے کہ فقیر کے والد گرامی (رحمتہ اللہ علیہ) مجھے اور میرے برادر محترم کو رات اور دن کے فارغ اوقات میں حضور نبی پاک شہِ لولاک (ﷺ) اور دیگر انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہلِ بیت اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور حالات سناتے رہتے جس کی برکت ہوئی کہ فقیر بچپن سے ہی تحصیلِ علوم اسلامیہ اور حفظ القرآن سے نوازا گیا۔ اور الحمدللہ بلا تکلف چھوٹی عمر میں اور تھوڑے سے عرصہ میں حفظ القرآن اور علومِ عربیہ اسلامیہ سے بہرہ ور ہو گیا تھا۔

۴ سنِ شعور سے ہی اپنے بچوں، بچیوں کے سامنے ایسے قول وفعل نہ کرے کہ وہ آئندہ چل کر اپنی طبائع کو برائیوں کی طرف مائل کر دے۔

۵ خود پڑھا لکھا ہے تو الحمدللہ ورنہ کسی نیک سُنّی بزرگ سے علم دین پڑھانا شروع کرا دے۔ یا کسی قریبی دینی درس گاہ میں داخل کرا دے کیونکہ......

اولاد کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ اولاد کو علم دین پڑھائے اور اس کی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرت پر تربیت فرمائے۔ حضرت شیخ سعدی (رحمتہ اللہ علیہ) نے فرمایا

۱) بخردی درشن زجرد تعلیم کُن
به نیك وبدش وعده وبیم کُن

۲) بیا موز پر ورده رادست زنج
وگردست داری چوقارون گنج

۳) بپایاں رسد کیسۂ سیم وزر
نگرودتھی کیسۂ پیشہ ور

۱ بچپن سے ہی اسے تعلیم دے اور اس وقت اسے نشیب وفراز سمجھا۔

۲ اپنے پروردہ کو کاروبار میں لگادے اگر چہ تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ ہے۔

۳ کیونکہ بالآخر سیم وزر کی تحصیل ختم ہو جائے گی لیکن پیشہ (علم) والے کی جیب ختم نہ ہوگی۔

جب بچہ پیدا ہو تو چاہیے کہ اللہ عزوجل کے کسی مقبول اور صالح بندے کے پاس اس کو لے جائیں اس کے لئے خیرو برکت کی دعائیں بھی کرائیں اور تحسیک بھی کرائیں یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کا رواج بہت کم ہی رہ گیا ہے۔

حالانکہ یہ اہم سنت ہے اور اسی سے ہی بچہ کی قسمت کا ستارہ روشن ہوتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر (رحمتہ اللہ علیہ) کو والدہ نے بچپن کے دوران فرمایا۔ بیٹا نماز پڑھا کرو عرض کیا کہ نماز سے کیا ملے گا فرمایا شکر۔

حضرت بابا گنج شکر (رحمتہ اللہ علیہ) نے نماز پڑھنا شروع کر دی تو روزانہ نماز کے بعد شکر کی پڑیا والدہ مصلّٰی کے نیچے رکھ دیا کرتی ایک دن نہ رکھ سکیں تو اللہ عزوجل نے مصلّٰی کے نیچے سے شکر کا دریا بہا دیا۔

اسی لئے آپ کو "گنج شکر" کہا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ والدہ مرحومہ کی تربیت سے ہوا۔

تربیت جسمانی، ہدایات حمل تا ولادت

استقرار حمل کا زمانہ

بچے کی نگہداشت اور نشوونما بعد از پیدائش کو بہتر بنانے کے لئے کوششیں بچے کے پیدائش سے پہلے شروع کر دی جاتی ہیں لہٰذا نو ماہ کی مدت میں بننے والی ماں کی خوراک میں حراروں کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے۔ اس کے لئے چوتھے ماہ سے پیدائش تک کا عرصہ زیادہ اہم ہے چوتھے ماہ سے ماں کی خوراک میں ایک دو چپاتی کا اضافہ لحمی اجزاء یعنی گوشت ،انڈا اور دالوں میں تقریباً ۲۰ فیصد اضافہ اور دودھ تقریباً ایک پاؤ روزانہ کر دینا چاہیے چونکہ ان دنوں میں فولاد کا استعمال بڑھ جاتا ہے اس لئے عام طور پر فولادی گولیاں اور ان کی خوراک ڈاکٹر سے مشورہ کے مطابق استعمال کرنی چاہیے۔ یاد

رہے کہ حمل کی ابتداء سے ہی اپنے ماہر زچگی سے باقاعدہ اپنا معائنہ کراتے رہنا بھی اچھے نتائج کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اپنی غذا کے بارے میں خیال رکھنا۔ آخری تین ماہ میں خوراک کی طرف دھیان کے ساتھ ساتھ تشنج کے دو حفاظتی ٹیکے ایک ماہ کے وقفے سے لگوانا بہت ضروری ہیں۔ ان ٹیکوں سے بچے کو نومولودی تشنج سے بچایا جا سکتا ہے اوپر کی سطروں میں ہم نے حمل کے دوران پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور بیماریوں کے بارے میں بحث نہیں کی ہے جس کے لئے آپ کو اپنے ماہر زچگی سے مشورہ کرنا ہوگا۔

نومولودگی کا زمانہ

یہ زمانہ پیدائش سے لے کر سات دن تک رہتا ہے۔ اس مدت میں اگر بچہ اور اس کی پیدائش نارمل ہو تو بچے کو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کے بعد ماں کا دودھ پلانے کی کوشش شروع کی جا سکتی ہے۔ اگر ماں کی چھاتیاں اور ان کے نپل نارمل ہوں تو ان کو ابلے ہوئے پانی سے دھو کر بچے کے منہ میں دیا جا سکتا ہے۔ پیدائش کا عمل اگر خیریت سے گزرا ہو اور بچہ وزن اور صحت

کے لحاظ سے نارمل ہو تو دو گھنٹے بعد جراثیم سے پاک ابلا ہوا پانی دینا چاہیے۔ اگر وہ پانی پی لے تو اسکے بعد بچے کو ماں کا نپل منہ میں دینا چاہیے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ او کی تحقیق کے مطابق دو گھنٹے بعد بلکہ صرف نصف گھنٹہ بعد اگرچہ وبچہ نارمل ہوں تو ماں کا دودھ پلانے کی کوشش شروع کر دینی چاہئے اور دوسرے سے تیسرے دن تک ماں کا دودھ اس مقدار میں آنے لگتا ہے کہ بچہ مطمئن رہتا ہے۔ پیدائش کے دو تین دن تک بچہ کی بھوک بھی کم ہوتی ہے چوتھے پانچویں دن سے بچہ دن میں چھ سے نو بار دودھ پیتا ہے۔ اگر ماں کا دودھ وافر مقدار میں ہو تو مطمئن رہتا ہے ماں کو اس بات کا اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ جتنا دودھ پلائے گی دودھ اتنا ہی زیادہ ہے۔

دودھ پلانے کا طریقہ

ماں کو موسمی حالات کا خیال رکھتے ہوئے ایسی پوزیشن میں دودھ پلانا چاہیے کہ بچے کی گردن اور سر ماں کے بازو میں کہنی کے مقابل ہو اور بچہ نیم دراز حالت میں ہو یعنی نہ سیدھا لیٹا ہو اور نہ ہی بالکل بیٹھا ہو۔ بلکہ درمیانی حالت میں ہونا چاہیے۔ ماں اگر ایک آرام کرسی پر بیٹھی ہو تو زیادہ مناسب ہے چونکہ ماں کے لئے سب سے زیادہ آرام دہ پوزیشن یہی ہے اگر بچہ بائیں پستان پر ہو تو بچے کا سر ماں کے بائیں بازو پر ہو اور باقی دھڑ بائیں کلائی اور ہتھیلی سے سہارا ہوا ہو۔ دائیں ہاتھ سے پستان کو سنبھال کر پہلی دو انگلیوں کی مدد سے نپل کی جڑ کے پاس سے پکڑیں اور بچے کے منہ میں

دیں۔

نومولودگی کے زمانے کے بعد سے لے کر چارماہ تک

اس دوران ماں کا دودھ پینے والے بچے کا وزن اگر مناسب رفتار سے بڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے ماں کا دودھ بچے کے لئے کافی ہے عام طور پر پہلے سال میں بچے کا وزن نصف کلوگرام فی ماہ کے حساب سے بڑھتا ہے اگر ماں کا دودھ ناکافی ہو تو میں عام طور پر ماں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ماں اپنا دودھ پلانے کے بعد گائے بھینس یا ڈبے کا دودھ استعمال کرے۔ تاکہ ماں کے دودھ کی مقدار میں جو کمی ہو وہ اس دودھ سے پوری کی جاسکے۔

اوپر کے دودھ دینے کا طریقہ

گائے کے خالص دودھ میں ابتدائی دو سے تین ماہ تک دو حصہ دودھ اور ایک حصہ پانی ڈالنا چاہیے اس طرح بننے والے ایک پاؤ دودھ میں ایک چائے والا چمچہ چینی کا ڈالیں۔ بھینس کا دودھ اگر خالص ہو تو اس میں نصف دودھ اور نصف پانی ہونا چاہیے۔ ایک پاؤ دودھ میں چائے کے دو چمچے برابر چینی ڈالیں دو تین ماہ بعد دونوں دودھ بغیر پانی کے دے سکتے ہیں۔ اگر دودھ بازار کا عام ہو تو اس میں پانی ملانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ڈبے کا دودھ ابلے ہوئے پانی میں حسب ہدایت استعمال کرنا چاہیے۔

کیا دودھ پلانے کے لئے فیڈر استعمال کیا جائے؟

نہیں بہتر تو یہ ہے کہ دودھ ماں کا پلایا جائے اگر کسی وجہ سے ضرورت اوپر کے دودھ کی ہو تو زیادہ محفوظ طریق کار کپ اور چمچے کا ہے اگرچہ نسبتاً یہ زیادہ محنت طلب طریقہ ہے مگر اس طرح دودھ پلانے سے اسہال کی شکایت کے امکان کم ہو جاتے ہیں اور صحت اچھی رہتی ہے۔ کپ کو صاف کرنا آسان ہوتا ہے اور بوتل اور نپل ابالنے سے آدمی بچ جاتا ہے۔

اگر فیڈر ہی استعمال کرنا ہو تو فیڈر یعنی بوتل اور نپل کے چار پانچ سیٹ ہونے چاہیے۔ اور ان تمام کو صاف کرنے کے بعد ۵ سے ۱۰ منٹ تک پانی میں ابالا جائے۔ جیسے ہی سارے فیڈر استعمال ہو جائیں ان کو صاف کر کے ابال کر پھر تیار کریں، ساتھ ہی دودھ دیتے وقت یہ احتیاط کی جائے کہ کپ اور چمچے پر مکھیاں نہ بیٹھیں۔ نپل پر گندے ہاتھ نہ لگیں اور ایک مرتبہ کا پیا ہوا دودھ بغیر ابالے دوسری بار استعمال نہ کیا جائے۔ اگر بچہ صرف اوپر کے دودھ پر ہو۔ تو بچہ پہلے ماہ میں تقریباً نصف سیر، دوسرے تیسرے ماہ میں تین پاؤ اور چوتھے ماہ میں تین پاؤ سے ایک سیر تک دودھ پی لیتا ہے۔

پانچویں ماہ سے دوسال تک

اس عرصہ میں دودھ کے علاوہ ٹھوس غذا بھی شامل ہوتی ہے چونکہ عام طور پر بچے چھٹے اور ساتویں مہینے میں دانت نکالنا شروع کر دیتے ہیں جس کا فطری مقصد ٹھوس چیز کا توڑنا اور چبانا ہے چنانچہ یہ اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ بچہ اب فطرتاً ٹھوس چیز کی خواہش کر رہا ہے۔اس لئے ماہرین کی رائے کے مطابق اس عمر سے یعنی پانچویں ماہ میں بچے کو ٹھوس غذا کی ابتداء کرنی چاہئے تاکہ چھٹے مہینے کے بعد جب دانت نکلنا شروع ہو جائیں تو بچہ ٹھوس غذا کھانے کے قابل ہو جائے۔اس عمل کو WEANING کہا جاتا ہے۔بتدریج تبدیلی کا یہ عمل ہے جس میں بچہ مائع غذا سے ٹھوس غذا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

چار ماہ کی عمر کو پہنچنے کے بعد بچے کو نیم ابلے ہوئے انڈے کی زردی یا سفیدی یا دلیہ شروع کیا جا سکتا ہے۔بازار میں بچوں کے لئے بنے بنائے باریک دلیہ کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جا سکتا ہے لہٰذا ابتدا میں ایک دفعہ انڈے کی زردی دی جا سکتی ہے۔دوسرے وقت کیلا نرم کر کے یا دودھ میں ملا کر دیا جا سکتا ہے۔تیسرے وقت ایک چمچ دلیہ یا کوئی مناسب بازاری غذا دی جا سکتی ہے۔ہفتہ میں دو تین دفعہ پسا ہوا قیمہ بھی دینا چاہئے۔ایک سال کی عمر تک بچے کو ایک انڈہ ،مکھن چوتھائی چھٹانک ،توس ،ایک اکیلا اور کھیر دینی چاہئے۔یہ چیزیں دودھ کے علاوہ ہونی چاہئیں۔جس کی مقدار اس عمر میں تقریباً تین پاؤ سے ایک سیر تک ہوتی ہے۔بچے کی غذا میں ٹھوس غذا کی شمولیت بتدریج جاری رہنی چاہئے

اور اس مقدار کو بڑھتا رہنا چاہئے یہاں تک کہ وہ دوسال تک کا ہو تو نصف سیر دودھ کے علاوہ اس کی غذا میں ناشتہ میں ایک چپاتی ،مکھن ،دوپہر میں کھچڑی ،ہفتہ میں دوبار مچھلی کا گوشت ،شام کو سنگترہ یا ایک کیلا اور رات کو چپاتی اور دال یا چپاتی اور آلو کا سالن ،دال وغیرہ + ایک پاؤ دودھ۔

تیسرے سال سے پانچ سال تک

تیسرے سال میں آپ کے بچے کو کھانے کی میز پر وہ تمام چیزیں کھانے کا اہل ہو جانا چاہیے جو آپ کھاتے ہیں۔
تیسرے سال میں کوئی خاص ڈش تیار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔آپ اپنا مینو اس طرح ترتیب دے سکتے ہیں کہ کوئی چیز خاص طور پر پکانے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہئے۔مثال کے طور پر سالن ،کھچڑی ،انڈا ،گوشت ،حلوہ ،کسٹرڈ ایسی چیزیں ہیں جو آپ کے کھانے میں بھی ہو سکتی ہیں۔پانچ سال کی عمر تک دودھ کی مقدار ایک سے ڈیڑھ پاؤ تک بھی ہے

اس کے علاوہ دو روٹیاں ناشتہ میں مکھن کے ساتھ انڈا، دوپہر کی روٹی سالن، قیمہ دال، دال چاول اور ساتھ حلوہ یا سنگترہ وغیرہ کھانا اڑھائی (۲/۱ ۲) اونس فی پونڈ وزن کے حساب سے دودھ ہر تین گھنٹے بعد۔ رات کی ایک خوراک چھوڑ دیں۔

پانچ سے چھ ماہ تک

۶ بجے صبح ۔۔۔ دودھ آٹھ اونس (ایک پاؤ)

۹ بجے صبح ۔۔۔ آدھا پاؤ دودھ میں دلیا۔ ایک انڈا اگر ممکن ہو۔

۱۲ بجے دوپہر ۔۔۔ نرم چاول یا کھچڑی

۳ بجے سہ پہر ۔۔۔ آٹھ اونس دودھ۔ (ایک پاؤ)

۶ بجے شام ۔۔۔ ۴ اونس دودھ بسکٹ یا کیلے کا کچھ حصہ

۱۰ بجے رات ۔۔۔ ۸ اونس دودھ

اوسط حراروں کی ضرورت ۔۔۔ ۶۰۰ سے ۸۰۰

ساتویں سے نویں ماہ تک

۶ بجے صبح ۔۔۔ دودھ آٹھ اونس (ایک پاؤ)

۹ بجے صبح ۔۔۔ دلیہ۔ دودھ چار اونس۔ روٹی۔ سلائس یا مکھن انڈہ اگر ممکن ہو۔

ایک بجے دوپہر ۔۔۔ نرم چاول یا کھچڑی۔ آلو چاول یا دہی چاول ہفتہ میں تین بار پسا ہوا قیمہ دو چمچے۔

۴ بجے شام ۔۔۔ دودھ چار اونس بسکٹ

اوسط حراروں کی ضرورت ۔۔۔ ۸۰۰ سے ۹۰۰

دس ماہ سے ایک سال تک

۶ بجے صبح ۔۔۔ دودھ آٹھ اونس (ایک پاؤ)

۹ بجے صبح ۔۔۔ دودھ ۴ اونس + دلیا یا مکھن اور ایک سلائس انڈہ اگر ممکن ہے۔

۱ بجے دوپہر ۔۔۔ کھچڑی یا دال چاول (مرچ ہلکی) ایک دن بعد چاول کے ساتھ پسا ہوا قیمہ یا مچھلی۔

۴ بجے شام ۔۔۔ بسکٹ یا روٹی کا ایک سلائس اور مکھن یا کھیر (دو اونس) ایک کیلا یا ایک سنگترہ

۷ بجے شام ۔۔۔ روٹی اور سوپ یا کھچڑی (جس میں آلو یا مٹر ملے ہوں)

۱۰ بجے رات۔۔۔ایک پاؤ دودھ

اوسط حراروں کی تعداد۔۔۔۹۰۰ سے ۱۰۰۰

پہلا اور دوسرا سال

۶ بجے صبح۔۔۔دودھ آٹھ اونس (ایک پاؤ)

۹ بجے صبح۔۔۔ناشتہ میں دلیا یا روٹی یا ایک سلائس آدھا اونس مکھن کے ساتھ اور انڈا اگر ممکن ہو۔

ایک بجے دوپہر۔۔۔کھچڑی + پسی ہوئی سبزیاں اور پسا ہوا قیمہ اور مچھلی ہفتہ میں تین بار

۴ بجے شام۔۔۔ایک سنگترہ یا کیلا اور کھیر یا حلوہ اور بسکٹ وغیرہ۔

۷ بجے شام۔۔۔عشائیہ میں روٹی + سالن یا دال یا آلوؤں کا بھرتہ

۱۰ بجے رات۔۔۔دودھ آٹھ اونس

اوسط حراروں کی تعداد۔۔۔۱۰۰۰ سے ۱۲۰۰

چوتھے سال سے مدرسے جانے تک (۵ سال)

۸ بجے صبح۔۔۔ناشتہ۔دو سلائس ڈبل روٹی یا ایک چپاتی، مکھن آدھا اونس۔انڈا اگر ممکن ہو۔

۱ بجے ظہرانہ۔۔۔ایک سے دو چپاتیاں، آلوؤں اور سبزیوں کا بھرتہ اور دال اور ایک دن وقفہ کے بعد گوشت مچھلی۔

عصرانہ۔۔۔بسکٹ، کیلے یا کوئی اور پھل یا ڈبل روٹی، مکھن

۸ بجے رات عشائیہ۔۔۔کھچڑی یا آلو چاول یا ایک سے دو روٹیاں سبزی یا دال کے ساتھ سویٹ ڈش۔کھیر یا سوجی کا حلوہ یا کسٹرڈ

اوسط حراروں کی تعداد۔۔۔۱۲۰۰ سے ۱۴۰۰

چار ماہ کے بعد ماہر امراض اطفال کے مشورہ سے عمر کے ان ادوار میں وٹامن یا فولاد کی قسم اور مقدار متعین کرائی جاسکتی ہے۔

وزن

قارئین کی آسانی کیلئے پیدائش سے مدرسے جانے کی عمر تک مختلف عمروں میں اوسط بچے کا وزن ایک جدول کی شکل میں دیا جاتا ہے۔

پیدائش کے وقت۔۔۔۔تین سے ساڑھے تین کلوگرام

تین ماہ پر۔۔۔۔ساڑھے چار کلوگرام

نو ماہ پر۔۔۔۔۔۔آٹھ کلوگرام

ایک سال پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دس کلوگرام

ڈیڑھ سال پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۱کلوگرام

دو سال پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۲کلوگرام

تین سال پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۴کلوگرام

چار سال پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۶کلوگرام

پانچ سال پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۸کلوگرام

مندرجہ ذیل جدول ایک اوسط صحت مند بچے کے وزن کے مطابق ہے اس میں تھوڑی سی کمی وبیشی ہو سکتی ہے۔اگر کمی ایک کلوگرام سے زیادہ ہو تو ماہر امراض سے مشورہ کریں۔

روحانی فہرست تربیت اولاد

یاد رہے کہ جو عادتیں بچپن میں پڑ جاتی ہیں وہ عمر بھر نہیں جاتی وہ عادت بری ہو یا بھلی اسی لئے اولاد کی تربیت ضروری ہے۔چند ہدایات ملاحظہ ہوں۔

۱ عورت کی عادت ہے کہ بچوں کو ڈراتی ہے کبھی کسی خطرناک چیزوں سے کبھی ڈراؤنی چیزوں سے یہ بری بات ہے اس سے بچہ کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔

۲ اس کے دودھ پلانے کے لئے اور کھانا کھلانے کے وقت مقرر رکھو تا کہ تندرست رہے۔

۳ نیک اور اسلامی طریقہ والی عورت کا دودھ پلائیں کیونکہ دودھ کا اثر ہوتا ہے۔

۴ اس کو صاف ستھرا رکھو اور گرمی میں ان کو روزانہ نہلایا کرو اور سردی میں گرم پانی سے دوپہر کے وقت روزانہ نہلایا کرو اس سے تندرستی قائم رہتی ہے۔

۵ اس کا بہت بناؤ سنگار مت کرو۔

۶ اگر لڑکا ہو تو اس کے سر پر بال مت رکھو۔

۷ رات کے وقت روزانہ اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا کرو۔

۸ اگرلڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ، اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے۔ دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں ہونا اچھا نہیں۔

۹ بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا، کپڑا اور پیسہ ایسی چیزیں دلوایا کرو۔ اسی طرح کھانے پینے کی چیز ان کے بھائیوں بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تا کہ ان کو سخاوت کی عادت ہو مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی ہی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو خود جو چیز شروع سے ان ہی کی ہو اس کا دلوانا درست نہیں۔

۱۰ زیادہ کھانے والوں کی بُرائی اس کے سامنے بیان کیا کرو مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی سمجھتے ہیں اس کو بیل جانتے ہیں۔

۱۱ اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں تم ماشاء اللہ مرد ہو۔ ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

۱۲ اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی بہت عمدہ لباس اور تکلف کے کپڑوں کی عادت مت ڈالو۔

۱۳ اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

۱۴ چلّا کر بولنے سے روکو۔ خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلّانے پر خوب ڈانٹو۔ ورنہ بڑی ہو کر عادت ہو جائے گی۔

۱۵ جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کھانے کپڑے کے عادی ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

۱۶ ان باتوں سے اس کو نفرت دلاتی رہو۔ غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا، چوری، چغلی کھانا، اپنی بات کی پچ کرنا، خوامخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا،

بات بے بات ہنسنا، یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ، بُری بھلی بات کا نہ سوچنا اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے فوراً اس کو روکو اس پر تنبیہ کرو۔

۱۷ اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے مناسب سزا دو، تا کہ پھر ایسا نہ کرے۔ ایسی باتوں میں لاڈ پیار ہمیشہ کیلئے بچہ کو کھو دیتا ہے۔

۱۸ بہت سویرے مت سونے دو۔

۱۹ سویرے جاگنے کی عادت ڈالو۔

۲۰ جب سات برس کی عمر ہوجائے نماز کی عادت ڈالو۔

۲۱ جب مکتب جانے کے قابل ہوجائے۔اوّل قرآن شریف پڑھواؤ۔

۲۲ جہاں تک ہوسکے دیندار استاد سے پڑھواؤ۔

۲۳ مکتب میں جانے میں کبھی رعایت مت کرو۔

۲۴ کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکائتیں اور قصّے سنایا کرو۔

۲۵ ان کو ایسی کتابیں مت دیکھنے دو جن میں عاشق معشوق کی باتیں شرع کے خلاف مضمون یا بے ہودہ قصّے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

۲۶ ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آجائے۔

۲۷ مکتب سے آجانے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کیلئے اس کو کھیل کی اجازت دو تاکہ اس کی طبیعت کند نہ ہوجائے لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۸ آتش بازی یا باجہ فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو۔

۲۹ کھیل تماشے دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

۳۰ اولاد کو ضرور کوئی ہنر سکھلادو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا گذارہ کرسکیں۔

۳۱ بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں۔اپاہج اور سست نہ ہوجائیں۔
ان سے کہو کہ رات کو بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھادیں۔صبح کو سویرے اٹھ کر تہہ کرکے احتیاط سے رکھ دیں۔کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں ادھڑا اور پھٹا کپڑا خود ہی سی لیا کرو، کپڑے خواہ میلے ہوں یا اجلے ہوں ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے
اور چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔دھوبن کو خود گن کردیں اور لکھ لیں اور گن کر پڑتال کرکے لیں۔

۳۲ لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال کیا کرو۔

۳۳ لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے کپڑے رنگنے، چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اس میں غور کرکے

دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے۔

۳۵ جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو۔ پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو تا کہ اس کا دل بڑھے۔ جب اُس کی بری بات دیکھو۔ اول تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری بات ہے دیکھنے والے کیا کہتے ہوں گے اور جس جس کو خبر ہو گی وہ دل میں کیا کہے گا۔ خبر دار پھر مت کرنا۔ نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے اور اگر پھر وہی کام کرے تو مناسب سزا دو۔

۳۶ ماں کو چاہیے کہ بچے کو باپ کا احترام سمجھاتی رہے۔

۳۷ بچے کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو۔ کھیل ہو یا کھانا ہو یا کوئی اور شغل ہو جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اُس کو برا سمجھتا ہے سو اگر وہ برا ہے تو اس سے چھڑاؤ اور گر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پئے۔

۳۸ کوئی کام محنت اور ورزش کا اس کے ذمہ مقرر کر دو جس سے صحت اور ہمت رہے سُستی نہ آنے پائے۔ مثلاً لڑکوں کو ڈنڈا، مگدر کرنا، ایک آدھ میل چلنا اور لڑکیوں کے لئے چکی یا چرخہ چلانا ضروری ہے اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ سمجھیں۔

۳۹ چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ کرے۔ نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

۴۰ اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو۔ زبان سے، چال سے برتاؤ سے، شیخی بگھارنے نہ پائے یہاں تک کہ اپنے ہم عمروں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان، خاندان یا کتاب قلم دوات تختی تک کی تعریف نہ کرے۔

۴۱ کبھی کبھی اس کو دو چار پیسے دے دیا کرو تا کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے۔ مگر اُس کو یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے بچپن کے واقعات کبھی کبھی سنایا کریں۔

۴۲ نبی پاک (ﷺ) کی محبت اور مسلکِ حق اہلسنّت سے وابستگی بدمذہبوں سے دوری و نفرت خصوصیت سے بتائیں۔

ماں کی شان

حمل سے پہلے اور حمل کے بعد ماں کو بالخصوص آرزو ہو کہ بچہ یا بچی وہ نصیب ہوں جو دارین میں فلاح و بہبودی کا موجب ہو۔ حمل کے دوران بالخصوص ہمیشہ اکلِ حلال و صدقِ مقال پر عمل ہو، زیادہ سے زیادہ نیکی کی عادت ہو اس کے اثرات بچے یا بچی پر پڑتے ہیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین کاکی وسیدنا غوث اعظم جیلانی (قدس سرہ) ودیگر اولیائے کاملین کے حالات سے ظاہر ہے کہ ان کے دورانِ حمل ماں شب بیداروں، عبادت گزاروں، ذکرواذکار میں مشغول رہیں تو اولاد وہ پیدا ہوئی جنھوں نے اسلام میں نام پیدا کیا۔ نرینہ اولاد کی خواہش مند خاتون حمل کے دوران انگلی سے پیٹ پر مندرجہ ذیل کلمات لکھے۔

ان کان ھذا ولدًا فاسمیه محمدًا

حمل کے دوران ہمیشہ باوضو رہنے کی کوشش کرے۔ پیدائش کے بعد، بچے کو باوضو ہو کر دودھ پلائے اور بسم اللہ پڑھ کر بچے کے منہ میں پستان دے اور اسی دوران درود شریف وردِ زبان رہے۔ ناپاکی (سوائے ضروری امر کے) کی حالت میں ہرگز دودھ نہ پلائے اور خود کو اسی طرح بنائے جیسے حضرت امیر خسرو (رحمته اللہ علیه) نے اپنی بیٹی کو نصیحت سے نوازا۔

نصیحت نامه امیر خسرو رحمة الله علیه

حضرت شاہ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر خسرو سلطان الشعراء اور برہان ناطق ہیں۔ قوت ناطقہ آپ کے کمالات کے ادراک سے عاجز ہے اور زبانِ قلم ان کی تحریر سے قاصر۔ آپ کا شمار دنیا کے بہت بڑے عالموں میں ہے۔ عالموں میں آپ کی ذات فیض الٰہی کی مظہر اور لامتناہی کمالات کی مصدر ہے۔ قسم قسم کے مضامین اور معنی میں جس قدر دسترس انہیں حاصل تھیں وہ شعرائے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی کی قسمت میں نہیں ہوئی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپ کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور چھ ماہ بعد اٹھارہ شوال ۷۲۵ھ کو فورِ غم سے جاں بحق تسلیم ہو کر مرشد (علیه الرحمته) کے پاس مدفون ہوئے۔

اناللّٰه وانا الیه راجعون.

حضرت امیر خسرو کی تالیفات میں سے ایک کتاب مطلع الانوار منظوم ۶۹۸ھ (بجواب مخزن الاسرار مولانا نظامی گنجوی) اس کا بیسواں باب میرے مضمون کا حامل ہے۔ بیٹی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

''تو میری چشم و چراغ اور میرے دل کا ثمر ہے اگرچہ تیرے بھائی تیری ہی طرح نیک اختر ہیں مگر میری نظر میں تجھ سے بہتر نہیں کیونکہ باغبان کے لئے سرو سوسن یکساں ہوتے ہیں اگر لڑکی نہ ہو تو بیٹا کیسے پیدا ہو، سیپ کے بغیر موتی کہاں سے دستیاب ہو، قسمت نے تجھے ہمایوں بابرکت بخت بنایا ہے اور میں نے تیرا نام مستورہ (پردہ نشین) رکھا ہے امید ہے کہ تو اسم بامسمّٰی ثابت ہوگی اور عمل سے اپنے نام کے مظہر کی صداقت بنے گی اس وقت تیری عمر سات سال ہے سترہ برس ہونے پر تجھے اپنے پر غور اور میری نصیحت پر عمل کرنا ہوگا تاکہ میرا نام تجھ سے روشن ہو کہ لوگ کہیں کہ خسرو کیسا نیک مرد تھا

کہ جس کی بیٹی ان اوصاف کی مالکہ ہے۔ اُس وقت مر بھی جاؤں تو خلقت یہ دیکھ کر کہے کہ خسرو مرا نہیں زندہ ہے کیونکہ اس کی بیٹی نے نام زندہ کر دیا ہے اس لڑکی پر جان فدا کر دینی چاہیئے۔ جس پر اس کے باپ کا نیک نام قائم رہے۔

تجھے چاہیئے کہ تحفظ عصمت کے لئے تو اسی طرح پابند عمل رہے جس طرح دامنِ کوہ۔ جس کا وقار اسی لئے ہے کہ وہ اپنے مقام پر قائم ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ عورت کو خفتہ کی طرح بے حس وحرکت رہنا ہی سودمند ہے جو عورت باہر نکل کر پھرنے کی عادی ہو جائے وہ ہر وقت گھر میں خائف رہتی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ کفن چور گورات کو مُردوں کے کفن چراتا ہے مگر دن کو بھی گھر میں خوفزدہ رہتا ہے۔

جو عورت باغوں میں سیر کرنے کی عادت ڈال لے اس کا گریبان کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دامن کسی کے۔ عورت کا اس طرح آزاد پھرنا بڑی خرابی کا باعث ہوتا ہے۔ باہر پھر کر سرخ رنگ ہونے سے گھر میں رہ کر سپید رنگ (زرد) رہنا بہتر ہے۔ شوخ چشمی سے سپید چشم (اندھا) ہونا اچھا ہے۔ عورت اپنی آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے جس سے وہ روسیاہ ہو جائے اور وہ گلگونہ (پاؤڈر) سرخ وسپید مرکب جو عورتیں چہرے پر ملتی ہیں۔ چہرے سے اُتار دیں۔ جو قصد بد سے لگایا جائے بلکہ کوشش کرے کہ وہ بے گلگو سرخرو ہو اور نیک اعمال ہی سے سرخروئی حاصل کر کے صدق وصفا میں حمیرا (حمیراء کی تصغیر ہے جس کے معنی چھوٹی سی خوش رنگ عورت۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا لقب بھی ہے) کا خطاب حاصل کرے۔ آدمی کو اس گمان میں نہ رہنا چاہیے کہ عورت پارسا ہے۔ عرق النساء بیماری بڑی تکلیف دہ ہے اسے فارسی میں رگِ زن سے موسوم کیا گیا ہے یعنی عورت کی رگ (مارنے والی رگ) اسی سے عورت سے لاحق ہونے والی تکلیف کا اندازہ کرلو۔ اے مرد تو عورت کی حالت تنگ دستی میں نیک پاک ہونے کا خیال مت کر اور خوش حالی میں اس کے فاسقہ ہونے کا دھیان رکھ کیونکہ بھرے گھر میں چور آتا ہے۔ ان شکرلبوں کے گرد بہت مکھیاں ہیں اُن کو ضرور روکنے کیلئے مگس داں درکار ہے۔ جوانی میں عورت بُرا کام کر بیٹھتی ہے مگر بڑھاپے میں سوچتی ہے کہ میں نے ایسا ملامت کا کام کیوں کیا اور جو عورت آسودگی میں برے کاموں سے بچی رہے وہ اپنی دین کو بچالیتی ہے جو لذت میں غرق ہو جائے وہ خود بھی خراب ہوتی ہے اس کا خانہ بھی خراب ہوتا ہے جب کسی کا پاک بدن شراب سے آلودہ ہو جائے تو در و دیوار سے حریف پہنچ جاتے ہیں خواہ حجرے ہی میں بیٹھ کر دورِ جام چلے۔

اس کی بُو پڑوس میں پھیل جاتی ہے شیطانوں سے شہر بھرا پڑا ہے گھر کو قفل لگا کر چابی گم کر دو تا کہ خطرۂ فساد نہ رہے کہ پردہ نشینوں پر جب کوئی دِقت آتی ہے بے پردگی کی وجہ سے ہی آتی ہے۔

اگر عورت چاہتی ہے کہ کوئی اس کو طعنہ نہ دے تو نامحرموں سے پردہ رکھے جس کھانے پر سر پوش نہ ہو وہ مکھیوں اور چیونٹیوں سے کب بچ سکتا ہے۔ اگر دیگ کا منہ بند کر کے نہ سوئیں تو نعمت کتے بلی سے کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ اگر عورت حُسن نمائی کر کے فاسقوں کے کانوں کو شیفتہ نہ کرے تو فرشتے اُس پر قربان ہوں اگر عورت کا روپوش نظرِ بیگانے سے پاک رہے تو اسے بزرگ اپنے کلاہ کا ابرہ بنالیں، اُوڑھنی کا ایک پیچ فاجروں فاسق فقہیوں کی دو پگڑیوں سے بہتر ہے۔

عورتوں کی جلوہ گری اور زیب نمائی یہ ہونی چاہیے کہ وہ مخلوقِ خدا کی شرم اور خدا کے خوف کے پردے میں رہیں اور آدمی ان کی پاکیزگی کے مدح ہوں اگر وہ چاہتی ہے کہ ان کی ہمزادیں (ہم جولیاں) ان کی ہنسی نہ اُڑائیں تو وہ صرف بیگانوں سے بلکہ اپنوں سے بھی پردہ کریں۔ وہ سورج کی طرح اپنی چمک قائم رکھیں اور ہر وقت حیا میں رہیں۔ جس نے نقاب الٹ دی گویا اس نے اپنی آبرو گنوادی۔ کثرت عصیاں کے سبب پردۂ عصمت بہت جلد فرسودہ ہو جاتا ہے انسان بدکاری جتنی چھپا کر کرے آخر ظاہر ہو جاتی ہے اور بدکار مرد بدی کر کے اُسے مشہور کرنا فخر کی بات سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی عورتوں کی پردہ دری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بری عورتوں کی شکل ان کی تباہی کی شہادت دینے لگتی ہے۔ جب ستار کو بغل میں دبا کر چھیڑتے ہیں تو اس کے تار چغلی کرنے لگتے ہیں کہ وہ بغلی میں دبائی گئی ہے۔ اسی طرح دف کا حال ہے وہ پردہ بند ہو کر بیٹھتی ہے مگر اس کا پردہ ہی دف زن کی غمازی کرتا ہے برائی خواہ دس پردوں میں کی جائے آخر آشکارا ہو جاتی ہے۔

عورت کو شوہر کے سوا کسی کے سامنے نمائش نہیں کرنی چاہیے خواہ وہ اپنا ماموں ہی نہ ہوں۔ اس طرح بھائی کے سامنے خلوت میں نہیں بیٹھنا چاہیے اس کے سامنے چاند و سورج بھی آجائے تو اس سے منہ موڑ لے کیوں کہ سایا بھی نامحرم ہوتا ہے۔ عورت کو اپنے شوہر اور کنیزوں کے سوا کسی سے بات نہیں کرنا چاہیے تا کہ فاسقوں کے فتنوں میں گرفتار نہ ہو۔ مرد کے لئے بدخواہی عیب ہے اور اگر بدخو عورت خاوند کے پلے پڑ جائے تو گھر دوزخ بن جاتا ہے۔ نیک عورت وہ ہے جو نادار شوہر کے ساتھ قناعت اختیار کر کے گزارا کرے اگر اس حال میں بھی وہ زیور کی تمنا کرے تو پیشانی کے پسینے سے در اور ڈوک (تکلے) کے دھاگے سے (زیور) پیدا کرے۔ عورت کنگھی اور شیشے کا خیال چھوڑ دے شوہر کے چہرے کو آئینہ تصور کرے اگر عورت تنہا بسر کرتی تو کیا بہتر تھا مگر فطرت کے آگے مجبور ہے۔

بہرحال اسے ایک شوہر پر قناعت کرنی چاہیے۔ ایک مادہ اور دس دس نر، کتیا اور سؤرنی (خنزیر کی مادہ) کا کام ہے۔

انسان کا نہیں۔ اگر انسان آنکھ کو اس طرح رکھے کہ جس طرح موتی سیپ میں تو کبھی مصیبت کے تیر کا نشانہ نہ بنے۔ دیکھتے نہیں کہ دیدۂ بادام جب تک پردے میں رہے تو محفوظ ہے لیکن جب پردہ ٹوٹ جائے تو ہر منہ میں آ کر پس جاتا ہے اسی طرح غنچہ جب تک بند رہے محفوظ ہے ہوا اس کے گریبان میں نہیں گھس سکتی۔ مگر جوں ہی اس میں سوئی کے ناکے کے برابر سوراخ ہوا ہوا نے داخل ہو کر اسے چاک کر دیا۔

بوڑھی عورت کا سرے سے آنکھ سیاہ کرنا گائے کی طرح زاغ (کوا) چشم ہونا ہے جس کی آنکھیں مرنے پر کالی ہو جاتی ہیں یعنی ایسا کرنا اس کے لئے موت ہے۔ ہر چیز پانی سے پاک ہو جاتی ہے مگر بدکار عورت کو خاک ہی پاک کر سکتی ہے (یعنی موت) بھیڑ جب خود چل کر بھیڑئے کے پاس آ جائے تو رکھوالا کتا کیا کرے۔ جس عورت کو خدا نے ادب کی نعمت بخشی ہو وہ جان دے دیگی مگر برائی کے قریب نہ جائے گی۔ ایک بادشاہ نے اپنے اونچے محل سے نظر دوڑائی تو اسے ایک مکان میں نہایت خوبرو، خوبصورت عورت دکھائی دی اس کا دل بیقرار ہو گیا اسکے حسن و جمال پر مفتون ہو گیا۔ پہلے نامہ و پیام سے کام نکالنا چاہا۔ مگر اس عفیفہ نے اپنی پاکدامنی کی وجہ سے توجہ نہ دی آخر اس نے حکم دیا کہ اس سرکش عورت کو پکڑ کر لاؤ۔ جب وہ محل میں آئی دل کشی اور دل ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے کہ اس پاکیزہ عورت کو اس کام پر آمادہ کرے جس کی تعلیم بادشاہ کے نفس نے دی تھی۔ عیش و نشاط کے تمام سامان فراہم، نفسانی جذبات اپنے شباب پر اور پیار کی مسلح فوج سامنے، تنہائی کا عالم، سارے دروازے اور کھڑکیاں بند، تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان، پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی، شبابی قوت و طاقت کا سمندر موجزن، جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم ایسے وقت میں اپنے دیدۂ پُر حسرت کو پُر آب کر کے کہا اے صنم تیری آنکھوں نے میری نیند کھو دی ہے۔ عورت نے عرض کیا۔ میں ایک غریب بندی! آپ شہنشاہ ؎

تاجوراں را بگدایاں چہ کار

یعنی بادشاہوں کو فقیروں سے کیا کام

بادشاہ نے جواب دیا تو حسن کی شہزادی ہے اور میں گدائے حُسن (یعنی حسن کے دروازے کا فقیر) خدا را سُوئے مشتاقے نگاہے (خدا کے لئے مشتاق کی طرف ایک نظر دیکھئے)

آسمان دیکھ رہا تھا۔ زمین دیکھ رہی تھی۔ ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ اس خاتون کا دامنِ عفت کدھر جاتا ہے۔ برائی کی طرف بلانے میں شیطانی قوت نے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا مگر اللہ کی بندی سب دیکھتی ہے اور چاہتی تو جو کچھ

بادشاہ چاہتا تھا کر گزرتی۔ عورت نے کہا بادشاہ سلامت! ذرا صبر کیجئے میں دوسرے کمرے میں آراستہ ہو کر حاضر ہوتی ہوں۔ غرض یہ کہ وہ دوسرے کمرے میں گئی اور دونوں آنکھیں نکال کر ایک طشت میں رکھیں اور شاہی خدمتگار کے ہاتھ خدمت میں ارسال کر کے کہلا بھیجا کہ جس چیز کی بڑی چاہ تھی وہ پیشِ حضور ہے۔ ایک کمزور ارادے والی عورت کو اپنی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بناتا ہے تو نے یہ جرأت کی، رب کا احسان بھول گیا۔ اور اس کی دی ہوئی قوت اس کے ہی حکم کیخلاف استعمال کرنا چاہتا تھا اسی کا نام شیطانیت ہے۔ شیطان کا قصور ہی اس کے سوا کیا ہے توانائیوں کا جو ذخیرہ تجھے خالقِ کائنات کی طرف سے عطا ہوا ہے بجائے مرضی حق کے ان کو اُس کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ بادشاہ آنکھوں کو دیکھ کر بڑا شرمندہ ہوا۔

اس پاک دامن خاتون کو بصد معذرت وعطائے انعام عزت واحترام کے ساتھ گھر پہنچا دیا۔ یہ تمام مضمون بیان کر کے حضرت امیر خسرو (رحمتہ اللہ علیہ) پھر اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

اے کہ توئی دیدئہ خسرو ہنوز

باش بریں گونہ بہ عصمت صبور

یعنی میری نورِ نظر تمہیں بھی اسی طرح باعصمت رہنا ہوگا۔ خاتون نے جس جوشی، جس عزم اور استقلال سے جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا اُس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

خاتون کو تقوٰی نے اپنے کنارے عاطفت میں جگہ دی۔ یہی وہ چیز ہے جو ایک مردہ صنف نازک کے قالب میں جان ڈال سکتی ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ

مسلمان عورتیں زمانہ کے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خاتون کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لئے ان کا راہ سے ہٹنا دوراز عقل نہیں لیکن اگر میری مائیں اور بہنیں حضرت امیر خسرو کی اس نصیحت کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دین داری اور خدا ترسی، پاکیزگی دنیا وآخرت کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں سمیٹ سکتی ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جو صنفِ نازک کے عظیم الشان گلستان کے لئے چمن آرا ہو سکتی ہے۔ جب اس کے باغ تمدن میں بہار آئے گی تو ایک نیا رنگ وبو پیدا ہوگا۔

ایک اورپاکباز خاتون

سیدنا حضرت امیر خسرو(رحمتہ اللہ علیہ) کے نصیحت نامہ سے فقیر کوایک پاکدامن خاتون کی کہانی یادآئی۔

غالباً حضرت عارف جامی(رحمتہ اللہ علیہ) نے بیان فرمایا کہ ایک خاتون پاکدامن کوکسی ظالم نے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا اُس پر قابو پاکر اُسے ایک کمرے میں لے گیا۔ پاکدامن خاتون نے کہا کہ مجھے بالا خانہ تک صرف پانچ منٹ تک مہلت دیدے۔ ظالم یہ سمجھا کہ یہ تو اب میرے قابو میں ہے کہاں جاسکتی ہے۔ چنانچہ اُس خاتون کو بالا خانہ تک جانے کی اجازت دیدی۔ خاتون بالا خانہ پرگئی تو بلند مینار نظر آیا اُس کے اوپر چڑھ کر اپنے شیخ کو پکارا

"اے شه! نقشبند امدا د کن"

یہ کہہ کر چھلانگ لگادی۔ زمین پر پہنچنے پر دیکھا کہ اُسے ایک بزرگ نے ہاتھوں میں لے لیا۔ حیران ہوکر پوچھا

"ازکجا آمدمی"

شیخ نے جواب دیا۔

"تواز مناره آمدی من از بخارا آمد م"۔

وہ شیخ حضرت بہاءالدین نقشبند(رحمتہ اللہ علیہ) تھے۔

بہرحال کرامتِ شیخ اپنے مقام پرحق ہے لیکن خاتون نے اپنی عصمت پر جان کی بازی لگادی ایسی پاکدامن خاتون کی تقلید ولایت کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔

اچھی ماں

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ نیک اولاد کی تمنا میں خود کو تیار کرے اور وہ ہے نیک اعمال پر کمربستہ رہنا۔ ہر وہ نیک عمل جو ماں عمل میں لائے گی اولاد کے لئے جو ہر آبدار ثابت ہوگا۔ یہاں ہر ایک نیک عمل کے فضائل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ صرف نماز ہی خاتون کو "اچھی ماں" ثابت کرسکتی ہے۔ اسی لئے یہاں نماز کے بارے میں ایک مقالہ سپرد قلم کرتا ہوں۔

فضائل نماز

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پرنماز کی ادائیگی کے فضائل اور ترکِ نماز پر وعیدیں سنائی ہیں۔ منجملہ چندآیات حاضر ہیں۔

۱) وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ (پارہ ۲۱، سورۃ الروم، ایت ۳۱)

''اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو۔''

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں میں شمار کیا ہے اور یہ سب سے بڑی وعید ہے ۔تارکینِ نماز کا گناہ اور اُن کی سزا کا ذکر۔ اب قضا کرنے والوں کی سزا ملاحظہ فرمائیں۔

۲) فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِھِمۡ سَاھُوۡنَ ۝ (پارہ ۳۰، سورۃ الماعون، ایت ۴، ۵)

''تو ان نمازیوں کی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔''

اور نماز کو وقت پر باجماعت ادا کرنا ہی دراصل منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔

۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ (پارہ ۵، سورۃ النساء، ایت ۱۰۳)

''بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا (پابندیٔ وقت کے ساتھ) فرض ہے۔''

احادیث مبارکہ

۱ حضور نبی کریم (ﷺ) نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا۔

۲ حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے

الصلوٰۃ عماد الدین اقامھا فقد اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین۔ (بیہقی)

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے جس شخص نے نماز کو قائم رکھا اُس نے دین کے محل کو قائم رکھا اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے نے دین کے محل کو مسمار کر دیا (گویا کہ بے نماز شخص دین کی عمارت کا منہدم کرنے والا ہوتا ہے)

۳ حدیث پاک میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اٹھ اور ایندھن لے کر میرے ساتھ چل تا کہ میں ان لوگوں کو ان کے گھروں سمیت جلا کر راکھ کر دوں جنھوں نے نماز عشاء ادا نہیں کی۔

۴ صحیحین میں ہے کہ نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا جس کی نماز فوت ہو گئی گویا اُس کے اہل وعیال فوت ہو گئے۔

۵ بزاز نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضور (ﷺ) فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز چھوڑ دے اُس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

۶﴾ امام احمد، دارمی اور بیہقی شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا۔جو شخص نماز کی محافظت نہ کرے گا۔ وہ قیامت کے دن فرعون، ہامان اور قارون کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

ترمذی شریف میں ہے کہ:

من ترک الصّلوٰۃ متعمدًا فقد کفرا۔

جو نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے وہ کافر ہو گیا۔

فائدہ: صحابہ کرام میں سے یک گروہ کا یہی مذہب تھا کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے ان صحابہ کرام میں سے حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابودرداء، حضرت امیر المومنین فاروق اعظم اور حضرت عبدالرحمٰن بن عورف (رضی اللہ عنہم) سرِ فہرست ہیں۔اگرچہ بعض صحابہ کرام اور آئمہ ہدیٰ تارک نماز کو گنہگار اور منکرِ نماز کو کافر گردانتے ہیں۔تاہم یہ سمجھ لینا چاہیۓ کہ بلاشبہ نماز چھوڑنے سے دین کی عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے۔

﴾نماز کی برکتیں﴿

اللہ رب العزت نے معراج پاک کے اس تحفے میں اَن گنت برکتیں رکھی ہیں۔سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ نماز ہر برائی سے بچا کر تقویٰ کے درجے تک پہنچا دیتی ہے ارشادِ ربّانی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (پارہ ۲۱، سورۃ العنکبوت، ایت ۴۵)

''بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے۔''

سوال: جب نماز برائیوں سے روکتی ہے تو بعض لوگ نماز پڑھنے کے باوجود برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اُن کے حق میں یہ آیت کیسے صادق آئے گی؟

جواب: نماز برائیوں سے بچنے کا ایک نسخہ ہے جس طرح حکیم حاذق کسی مریض کے لئے ایک نسخہ تجویز کرتا ہے ساتھ ہی اسے ترکیب استعمال کا طریقہ بتاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ترکیب استعمال میں کوئی خامی رہ گئی تو یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوگا۔پھر اگر بیماری معمولی ہو تو ایک دومرتبہ پینے سے صحت ہو جاتی ہے لیکن اگر بیماری جسم میں راسخ ہو کر بس چکی ہو تو علاج ومعالجہ کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔اس صورت میں دوا اور ترکیب استعمال میں مداومت کرنا نہایت ضروری ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح اگر قلب میں روحانی بیماری کم ہو تو یقیناً چند ہی روز میں نماز پڑھنے سے تقویٰ حاصل

ہوجائے گا۔لیکن اگر روحانی بیماری قلب میں راسخ ہوچکی ہے تو اس کے لیے نمازوں میں کثرت کرنا اور اُن کو صحیح ارکان کے ساتھ ادا کرنا نہایت ضروری ہوجاتا ہے اور نمازوں پر محافظت اور مداومت کرنے سے انشاء اللہ یہ نسخہ بار آور ثابت ہوگا۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ فرمایا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے،

صلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنب الکبائر.

ترجمہ: پانچ نمازیں پڑھنے سے اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک ادا کرنے سے درمیانی تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "مجھے بتاؤ جس شخص کے دروازے کے سامنے نہر جاری ہو اور وہاں سے وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے بھلا اس کے بدن پر کوئی میل رہ سکتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز نہیں۔تو فرمایا یہی مثال پانچ وقت نماز پڑھنے والے میرے امتیوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پانچ نمازوں کے بدلے ان کے تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے۔"

امام احمد (رحمۃ اللہ علیہ) روایت کرتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نبی علیہ السلام کے ساتھ پت جھڑ کے موسم میں ایک باغ میں داخل ہوا دیکھا کہ دوٹہنیوں سے پتے جھڑ رہے تھے۔آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اے ابوذر! دیکھ لے جس طرح اس درخت پتے جھڑ رہے ہیں اسی طرح جب میرا امتی نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں۔

حاکم نے اپنی تاریخ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کیا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

"اللہ کریم فرماتا ہے جو میرا امتی معراج پاک کے تحفے (نماز) کو وقت پر ادا کرے گا، اپنے ذمہ کرم سے میں عہد کرتا ہوں کہ اسے عذابِ جہنم سے بچا کر جنت الفردوس کا وارث بنادوں گا۔"

حضرت انس بن مالک (**رضی اللہ عنہ**) سے روایت ہے کہ فرمایا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "جب میرا بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اللہ اکبر کہتا ہے تو وہ گناہوں سے بالکل پاک ہوجاتا ہے اور جب **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھتا ہے تو اس کے جسم پر جتنے بال ہیں ان کے برابر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔جب **الحمد شریف** پڑھتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں عمرے کا ثواب لکھا جاتا ہے جب رکوع کرتا

ہے تو اس کو راہِ الٰہی میں پہاڑ برابر سونا خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہتا ہے تو اللہ کریم اس پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے اور جب وہ سجدہ کرتا ہے تو اس کو ایک غلام آزاد کرانے کا ثواب ملتا ہے جب التحیات پڑھتا ہے اُسے ہزار شہید کے برابر ثواب ملتا ہے اور جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ''(دقائق الاخبار۔ص ٦٦)

بہر حال اچھی ماں نماز کو پابندی سے ادا کرے تو بھی اولاد صالحہ سے جھولی رحمت کے موتیوں سے پُر کرے گی۔

اب ہم چند نیک تربیت کرنے والی خواتین کا ذکر کرتے ہیں۔

خنساء رضی اللہ عنہا چار شہداء کی ماں

صخر عرب کی مشہور شاعرہ حضرت خنساء کا بھائی ہے جو خنساء کے مسلمان ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تھا یہ اس کے غم میں دیوانی ہو گئیں۔ دن رات ماتم کرتیں اور مرثیے کہتی رہتیں۔ بھائی کی یاد صبح و شام کسی وقت بھی محو نہ ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ پورے ایک سال تک یہ کیفیت رہی اسی حال میں آپ نے اسلام قبول کیا۔ تو یہ کایا ہی پلٹ گئی۔

اب تو یہ حال ہے کہ یہی خنساء جنگ قادسیہ میں اپنے چاروں جوان بیٹوں کو لے کر خود پہنچتی ہیں۔ اور جب چاروں بیٹے یکے بعد دیگرے شہادت سے سرفراز ہو جاتے ہیں تو اب بجائے ماتم کرنے کے حضرت خنساء فرماتی ہیں۔

''اُس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ان (چاروں بیٹوں) کی شہادت سے عزت بخشی۔'' (رضی اللہ عنہا)

مزاراتِ شہداء

جب فقیر شام، بغداد کے مزارات کی زیارت کے لئے دمشق پہونچا تو جس ہوٹل میں ہم نے قیام کیا اس کے جنوب میں دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک جگہ چار شہداء کے مزارات بتائے گئے اور کہا گیا کہ یہ حضرت خنساء (رضی اللہ عنہا) کے بیٹوں (شہداء) کے مزارات ہیں۔ یہ مزارات جامع مسجد امیہ کے مغرب شمال کی طرف دس بارہ فرلانگ کے فاصلہ میں تھے۔ بہر حال مزارات کی زیارت سے ہم مشرف ہوئے اور ان کا مختصر تذکرہ بھی فقیر نے سفرنامہ شام و بغداد حصہ دوم میں لکھا۔

تفصیلی حالات حضرت خنساء بنت عمر و بن الشرید رضی اللہ عنہا

یہ وہ خاتون ہیں جس نے اپنے چار جگر پارے جہاد کے لئے تیار کیے۔ آپ کا اصلی نام تماضر ہے، لیکن چستی، ہوشیاری اور حُسن کی وجہ سے خنساء کے لقب سے یاد کی جاتی ہیں جس کے معنی ہرنی کے ہیں۔ یہ نسبت نام کے اُن

کا لقب زیادہ مشہور ہے۔نجد کی رہنے والی تھیں، ان کے والد کا نام عمرو بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیہ بن خفاف بن امراء القیس تھا۔ جو قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے وابستہ تھے۔ان کا پہلا عقد قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزیز سلمٰی سے ہوا اُس کے انتقال کے بعد دوسرا عقد مرداس بن ابی عامر سے ہوا۔(اسد الغابہ) پہلے شوہر سے صرف ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔اور دوسرے شوہر سے دولڑکے یزید، معاویہ اور ایک لڑکی عمرہ پیدا ہوئے۔(الدر المنثور)

جب اُفقِ مکہ سے آفتابِ رسالت (ﷺ) طلوع ہوا اور اُس کی شعاعیں سارے عالم پر پرتو افگن ہوئیں تو حضرت خنساء کی آنکھیں اُن شعاعوں کی صداقت پاش نورانیت سے منور ہوگئیں اور وہ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ مدینہ میں جناب سرورِ عالم (ﷺ) کی بارگاہ میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہوئیں۔(اسد الغابہ)

حضور سرورِ کائنات (ﷺ) دیر تک اُن کے شعر سنتے رہے اور اُن کی فصاحت و بلاغت پر تعجب فرماتے رہے۔ (اسد الغابہ)

حالات

اُن کی شاعری کا حال ابتدا میں یہ تھا کہ کبھی کبھی دو تین شعر کہہ لیا کرتی تھیں لیکن قبیلہ بنی اسد سے اُن کے قبیلے کی لڑائی ہوئی تو اس میں ان کا حقیقی بھائی معاویہ مقتول ہوا۔اور دوسرا سوتیلا بھائی صخر، ابوثور الاسدی سے زخمی ہوا تو حضرت خنساء نے

تقریباً ایک سال تک صخر کی بڑی محنت و جانفشانی سے تیمارداری کی لیکن زخم کاری لگا تھا جانبر نہ ہوسکا اور اپنی چہیتی بہن کو دائمی مفارقت کا داغ دے کر سفرِ آخرت اختیار کیا۔ (اسد الغابہ)

حضرت خنساء کو اپنے دونوں بھائیوں سے بہت محبت تھی ۔لیکن صخر کے علم ، بردباری، سخاوت ،شجاعت ، عقل مندی، حُسن کی وجہ سے وہ ان سے زیادہ مانوس اور گرویدۂ محبت تھیں۔اسی وجہ سے حضرت خنساء کو صخر کے انتقال سے سخت صدمہ پہنچا۔اسی وقت سے اپنے بھائی پر بے نظیر مرثیے کہنے شروع کئے۔ (درمنثور و اسد الغابہ)

مرثیوں میں شدت غم اور کثرت الم کا اظہار ایسے دل سوز و جانگداز الفاظ میں کیا کہ لوگ بیتاب ہوجاتے اور پڑھتے پڑھتے اشکباری کرنے لگتے۔مرثیے کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں جن سے فصاحت و بلاغت اور جودت طبع کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

اعینتی جودًا ولا تجمدا! الاتبکیان بصخر الندیٰ

الا تبکیان الجری الجمیل | الاتبکیان الفتیٰ السیدیٰ
طویل النجار عظیم الرماد | دساد عشیرتہ امردا
اذالقوم مدّوا بایدیھم | الی المجد مذ الیہ یدا
فنال الذی فوق ایدیھم | الی المجد ثم مضی مسعدا
تری المجد یھدی الی بیتہ | یری افضل المجد ان یحمدا
وان ذکر المجد الفتیہ | تازر بالمجد ثم ارتدیٰ

ترجمہ :اے میری دونوں آنکھوں سخاوت اختیار کرو اور بخیل مت بن جاؤ کیا تم دونوں صخر جیسے سخی پر نہیں روتی ہو، کیا تم دونوں ایسے شخص پر جو نہایت دلیر اور خوبصورت تھا نہیں روتی ہو، کیا تم نہیں روتی ہو ایسے شخص پر جو جوان سردار تھا، جس کا پرتلہ نہایت دراز تھا اور جو خود بھی بلند و بالا تھا، وہ اپنے قبیلے کا سردار ایسی حالت میں ہو گیا جب کہ وہ بہت کم سن تھا ۔جب قوم نے علوئے مرتبت کی طرف اپنے ہاتھ دراز کیے تو اس نے بھی اپنے ہاتھ دراز کر دیئے۔پس وہ اس عزت کو پہنچ گیا جو ان لوگوں کے ہاتھوں سے بھی اونچی تھی ۔اور اسی سعادت مندی کی حالت میں وہ گزر گیا، بزرگی اس کے گھر کا راستہ بتلاتی ہے، اپنے تعریف کیے جانے کو سب شرافتوں سے افضل سمجھتا ہے اگر شرافت و عزت کا ذکر کیا جائے تو تُو اس کو پائے گا کہ اس نے عزت کی چادر اوڑھ لی ہے، زنانِ عرب کی عادت کے موافق حضرت خنساء (رضی اللہ عنہا) اپنے مقتول بھائی کی قبر پر صبح و شام جا کر بیٹھتیں اور اُس کو یاد کر کے روتیں اور یہ مرثیہ پڑھا کرتیں۔ (درمنثور)

یذکرنی طلوع الشمس صخراً | ولولا کثرۃ الباکین حولی
واذکرہٗ لکل غروب شمس | علے موتاھم لقتلت نفسی

ترجمہ: طلوعِ شمس مجھ کو صخر کی یاد دلاتا ہے اور میں ہر روز غروبِ آفتاب کے وقت صخر کو یاد کرتی ہوں۔اگر رونے والوں کی کثرت اپنے مردوں پر میرے اِردگرد نہ ہوتی تو میں اپنی جان کو ہلاک کر دیتی۔

الایاصخران ابکیت عینی | فقد اضحکتنی زمنا طویلا
بکیتک فی نساءٍ معولات | وکنت احق من ابدی العویلا
دفعت بک الخطوب وانت حیّ | فمن ذایدفع الخطب الجلیلا

اذاقبح البکاء علی قتیل　　رأیت بُکاءک الحسن الجمیلا

ترجمہ: اے صخر اگر تو نے میرے آنکھوں کو رُلایا تو کیا ہوا اس لئے کہ تو نے ایک مدت دراز تک ہنسایا بھی ہے۔ میں روتی ہوں تجھ پر اُن عورتوں کے زمرہ میں جو چیخ پکار کر رونے والی ہیں اور میں زیادہ مستحق ہوں اُن سے جو چیخ وپکار کو ظاہر کررہی ہیں۔ میں نے تیرے سبب سے بہت سے حوادث کو دفع کیا اس وقت جب کہ تو زندہ تھا، پس اب کون دفع کرے گا اس بڑے حادثہ کو جب کہ کسی مقتول پر رونا بُرا معلوم ہوتا ہے تو میں تجھ پر رونے کو نہایت اچھا سمجھتی ہوں۔

صخر کی عزت واحترام کا حال بیان کرتی ہیں کہ

؎ وانّ صخرًا لتأ تَمُّ الهداة به
کا نّهٗ علم فی راسه نار

صخر کا بڑے بڑے لوگ اقتدار کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔

ان ہی مرثیوں کی بدولت وہ تمام عرب میں مشہور ہوگئیں۔

شاعرانہ فضیلت

تمام اقسام شعر اور خصوصیت کے ساتھ مرثیہ گوئی میں حضرت خنساء اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔

صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں:

اجمع اهل العلم بالشعرانه لم تكن امرأة قبلها ولا بعدها اشعرمنها . (اسد الغابه)

یعنی خنساء کو جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ تمام علمائے عرب کا اتفاق ہے کہ عرب کی عورتوں میں خنساء کے برابر شاعرہ

کوئی عورت نہیں ہوئی، نہ ان سے پہلے نہ بعد، اور درمنثور میں لکھا ہے۔

وقیل لجریر من اشعر الناس قال انالولا الخنساء

یعنی جریر شاعر متوفی ۱۱۰ھ (جو عہد بنی اُمیہ کا مشہور شاعر تھا) سے لوگوں نے پوچھا سب سے بڑا شاعر کون ہے۔" جریر نے کہا اگر خنساء کے اشعار نہ ہوتے تو میں دعویٰ کرتا کہ عرب کا بہترین شاعر میں ہوں۔

(درِمنثور)

بشار شاعر (بہت بڑا شاعر تھا) نے کہا کہ میں عورتوں کے اشعار غور سے دیکھتا ہوں تو اُن میں ایک نہ ایک نقص یا کمزوری

ضرور پاتا ہوں۔لوگوں نے پوچھا کیا خنساء کے اشعار کا بھی یہی حال ہے،اُس نے کہاوہ تو مردوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ (طبقات الشعراء)

تمام شعرائے عرب نے شاعر عورتوں کا سرتاج لیلے اخیلیہ کو تسلیم کیا تھا۔لیکن خنساء مستثنیٰ رکھی گئی تھیں۔

زمانۂ جاہلیت میں عام دستور تھا کہ تمام اہل عرب مختلف مقامات پر مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے جن سے اُن لوگوں کا مقصد تبادلۂ خیالات ہوتا تھا یا شعر گوئی کا مقابلہ ان میں مرد وعورت سب یکساں حصّہ لیتے تھے۔اس کی ابتداء ربیع الاول یعنی ابتدائے موسمِ بہار سے ہوا کرتی تھی،تمام اہلِ عرب دور دور سے اپنے کاروبار کو ترک کر کے ان میلوں میں شریک ہونے آتے تھے۔غرہ ربیع الاول میں پہلا میلہ دومۃ الجندل میں منعقد ہوتا تھا اس کے بعد وہاں سے ہجر کے بازار میں آتے تھے،اور پھر عمان میں،اس کے بعد حضر موت کو روانہ ہوتے تھے،اور پھر صنعاء یمن کی طرف کسی مقام میں دس روز،کہیں بیس روز قیام رہتا تھا۔اسی طرح تمام ملک میں گشت لگانے کے بعد ذیقعد کے مہینہ میں حج کے قریب آخری میلہ بازار عکاظ میں لگتا تھا(جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا)عرب کے تمام قبائل اور بالخصوص سردارانِ قبائل لازمی طور سے شریک ہوتے تھے اور کوئی سردار کسی خاص وجہ سے شریک نہ ہوسکتا تھا تو اپنا قائم مقام ضرور بھیجتا تھا۔اسی مقام پر اہل عرب کے تمام معاملات طے ہوتے تھے،یعنی قبائل کے سردار مقرر کیے جاتے تھے،مخالفت کا انسداد ہوتا تھا باہمی خون ریزی اور لڑائیوں کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔اس بازار میں اہل قریش کا وقار واحترام زیادہ تھا جب تمام معاملات کا تصفیہ ہوجاتا تو ہر قبیلہ کے شعراء اپنا کلام سناتے جن میں اپنی بہادری،فیاضی،مہمان نوازی،آباؤ اجداد کے کارنامے،صید وشکار اور خوں ریزی کا بیان ہوتا یہاں ہر شاعر اور مقرر کا درجہ ومرتبہ متعین کیا جاتا۔

خنساء بھی مجالس میں شریک ہوتی تھیں ان کے مرثیے یہاں لاجواب تسلیم کر لئے گئے،جب اونٹ پر سوار ہو کر آتیں تو تمام شعراء ان کے گرد حلقہ باندھ لیتے اور منتظر رہتے کہ ان کے اشعار سنیں اور پھر وہ اپنے مرثیے سناتیں۔

خنساء کو اس مجلس میں یہ فخر وامتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمہ کے دروازے پر ایک علم نصب تھا جس پر لکھا ہوا تھا،"ارثی العرب"یعنی عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو،زمانۂ جاہلیت میں اچھے اچھے شعراء گزرے ہیں لیکن نابغہ ذبیانی جو عرب کا مشہور وممتاز شاعر تھا جس نے ۲۴ء میں انتقال کیا وہ اپنی سخنوری کے سبب سے شہرائے آفاق ہے۔اس کا نام زیاد بن معاویہ ہے اور کنیت ابوامامہ،ابوعبیدہ اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

هو من الطبقة الاولىٰ المقدمين علے سائر الشعراء

کثرت شعر گوئی کی وجہ سے اس کا لقب نابغہ پڑ گیا، سوق عکاظ میں اس کے واسطے سرخ خیمہ نصب کیا جاتا تھا دوسرا شخص سرخ خیمہ نہیں لگا سکتا تھا کیونکہ یہ وہ عزت تھی جو صرف اس کا حق ہوتا تھا جو شاعری میں مسلم الثبوت استاد مان لیا جائے اس کے اشعار نہایت دقیق ہیں اور عجیب طرح کی سنجیدگی ان میں پائی جاتی ہے۔ اخلاق کی اصلاح و درستی کو یہ لازم جانتا اور خوف خدا میں زندگی بسر کرنے کو افضل سمجھتا تھا۔ یہ بڑا فیاض اور صادق القول تھا۔

اس کے قصائد مدحیہ میں چستی ،خوش طبعی ،رنگینی ،صداقت ،فصاحت وبلاغت کے نمونے کثرت سے پائے جاتے ہیں اسی بازار عکاظ میں نابغہ کے سامنے تمام شعراء اپنے اپنے اشعار سنا کر خراج تحسین حاصل کیا کرتے تھے، جب خنساء شریک مجلس ہوئیں اور اپنے اشعار سنائے تو نابغہ نے بہت تعریف کی اور خنساء کو بہترین شاعرہ تسلیم کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے:

فانت الشعر من كانت ذات ثدين ولولا هذا لا عمىٰ انشدني قبلك

يعني الاعشىٰ لفضلك على شعراء هذا الموسم فانك اشعرالانس والجن

(حقیقتاً تو عورتوں میں بڑی شاعرہ ہے اگر میں اس سے قبل اعشیٰ کے اشعار نہ سن لیتا تو تجھکو اس زمانہ کے شعراء پر البتہ فضیلت دیتا اور کہہ دیتا کہ تو متمدن وغیر متمدن لوگوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے) (درمنثور)

شعر پر ادبی تنقید

دنیا میں بہت سے شاعر گزرے اوران لوگوں نے نمود وشہرت بھی حاصل کی مگر شعراء میں جو فضیلت وعظمت جناب حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) (متوفی ۵۴ھ) کو ملی اور کسی کو نصیب نہ ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے ان کا شمار صحابہ اوران شعراء عرب میں ہے جو صحبتِ رسالت مآب سے شرف یاب ہوئے مگر وہ رتبہ جناب حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کو مبداء فیاض سے عطا ہوا انھی پر ختم ہوگیا۔ حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) مداح رسول دوجہاں اور دربار نبوت کے شاعر تھے آپکی عمر کے ۵۹ سال ضلالت وتاریکی کفر میں گزرے لیکن ساٹھ سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسلام لانے کے بعد اپنی قوتِ شعر گوئی کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کرتے رہے۔ آپکے قصائد میں اکثر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح اور اسلام کی تعریف، کفار کی ہجو ،اور غزواتِ نبوی کا بیان ہے، آپ کا کلام سادہ۔ ملیح اور صاف ہوتا تھا۔

نابغہ نے خنساء کے بارے میں جو فیصلہ کیا اس سے آپ بہت ناراض ہوئے اور نابغہ سے کہا تم نے بڑا غلط فیصلہ کیا ،خنساء سے بہتر میرے شعر ہیں' نابغہ نے خنساء کی طرف اشارہ کیا انھوں نے دریافت کیا کہ آپ کا جو بہترین شعر ہو وہ

سنائیے میں پھر اس کی تنقید کروں گی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ شعر سنایا۔ (درمنثور)

لنا الجفنات الغّر یلمعن فی الضحیٰ   و اسیافنا یقطرن من نحدۃ و ما

ترجمہ: ہمارے پاس بڑے بڑے صاف شفاف برتن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں ہماری تلواریں بلندی سے خون ٹپکاتی ہیں (اس میں جناب حسان (ﷺ) نے سخاوت اور شجاعت کا حال قلم بند کیا ہے)

حضرت خنساء نے یہ شعر سن کر کہا کہ

۱) **جفنات**: جمع قلت ہے بجائے اس کے **جفان** کہا جاتا تو مفہوم میں زیادہ وسعت پیدا ہو جاتی۔

۲) **غر**: پیشانی کی صباحت کو کہتے ہیں اس کے مقابلے میں بیض، زیادہ وسیع المعنے ہے۔

۳) **یلمعن**: ایک عارضی چمک ہے بجائے اس کے **یشرقن** کہا جاتا تو بہتر تھا کیونکہ اشراق، لمعان سے زیادہ پائدار ہے۔

۴) **ضحیٰ**: کے بجائے **دجی** کہا جاتا تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ روشنی سیاہی میں زیادہ قابلِ وقعت ہوتی ہے۔

۵) **اسیاف**: جمع قلت ہے **سیوف** کا استعمال انسب تھا۔

۶) **یقطرن** کے بجائے **یسلن** سے معنیٰ زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں، کیونکہ خون کا سیلان قطرہ قطرہ ہو کر ٹپکنے سے زیادہ مؤثر ہے۔

۷) **دم** کے مقابلے **دمــــاء** بہتر تھا کہ یہ جمع ہے اور وہ واحد۔ حضرت حسان (ﷺ) یہ سن کر خاموش رہے اور ان کو ان اعتراضوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ (درمنثور)

الغرض شاعری کے لحاظ سے حضرت خنساء (ﷺ) کا مرتبہ طبقۂ دوم کے شعرائے عرب میں سب سے زیادہ بلند ہے، ان کا ایک ضخیم دیوان ۱۸۸۸ء میں بیروت کے کسی مطبع نے شائع کیا تھا جس میں خنساء کے ساتھ ساٹھ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔

بیٹوں کو جہاد کی تربیت

حضرت عمر (ﷺ) کے زمانہ خلافت (۱۶ھ) میں جب قادسیہ کی لڑائی ہوئی (جس میں ایرانیوں نے بڑی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا) تو اس میں خنساء معہ اپنے چاروں بیٹوں کے جنگ میں موجود تھیں۔ رات کو بیٹوں کو جنگ کے لئے جو مؤثر تقریر کی تھی وہ یہ ہے۔ (اسد الغابہ)

میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے اسلام لائے، اور اپنی رضامندی سے تم نے ہجرت کی، قسم ہے اس خدائے لایزال کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، جس طرح تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم اپنے باپ کے سچے فرزند ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا و ذلیل کیا تھا۔ تمہارا نسب بے داغ ہے اور تمہارے حسب میں بھی کوئی نقص نہیں ہے، تم جانتے ہو مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفار سے جہاد کرنے میں ایک ثوابِ عظیم ہے، تم اس کو خوب جان لو اور غور سے سمجھ لو کہ عالمِ جاودانی کے مقابلہ میں دنیائے فانی ہیچ ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران، ایت ۲۰۰)

''اے ایمان والو صبر کرو (اُن تکلیفوں پر جو خدا کی راہ میں پیش آئیں) اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔''

جب تم دیکھ لو کہ لڑائی جوش پر آگئی ہے اُس کے شعلے بھڑکنے لگے اور اُس کے شرارے میدانِ جنگ میں منتشر ہونے لگے تو لڑائی میں گھس پڑو اور خوب بے دریغ تیغ زنی سے کام لو اور خدائے لم یزل سے نصرت و فتح کے اُمیدوار رہو۔ انشاء اللہ عالمِ آخرت کی بزرگی و فضیلت پر ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ (اسد الغابہ)

جب صبح ہوئی تو چاروں نونہالانِ اسلام و فدایانِ ملت اپنی ماں کی نصیحت پر کاربند ہو کر رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں کود پڑے اور اپنی دلیری و شجاعت کے نقوش صفحاتِ تاریخ پر ثبت کر گئے اور آخر کار شہید ہو گئے۔

(اسد الغابہ)

جب خنساء کو خبر ہوئی تو کہا خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شہادت کا مجھے شرف بخشا۔ خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ میں ان بچوں سے اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں ملوں گی۔ (اسد الغابہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قدر دانی

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ان کے بیٹوں کو فی کس دو سو درہم سالانہ دیتے تھے وہ اُن لوگوں کی شہادت کے بعد بھی حضرت خنساء کے نام برابر جاری رکھا۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری

حضرت خنساء حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتی تھیں، اُن کے سر پر بالوں کا ایک سر بند بندھا ہوتا تھا، جو عرب میں شدتِ غم والم کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا ایسا سر بند اسلام میں منع ہے۔ خنساء نے کہا کہ یہ تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ منع ہے یا نہیں لیکن اس سر بند کو جو میں استعمال کرتی ہوں اُس کا ایک خاص سبب ہے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا وہ کیا ہے، کہا میرے باپ نے جس شخص کے ساتھ میری شادی کی تھی وہ بہت مُسرف تھا اُس نے میرا اور اپنا تمام مال قمار بازی میں صرف کر ڈالا، جب محتاج و نادار ہوگئی تو میرے بھائی صخر نے اپنے مال کے دو حصے کئے اُن میں سے جو اچھا تھا وہ مجھے دیا میرے شوہر نے پھر تھوڑے عرصہ میں اُس کو تلف کر ڈالا، میرے بھائی صخر نے میری ناداری و تنگ دستی دیکھ کر افسوس کیا اور اُس نے پھر اپنے مال کے دو حصے کئے جو عمدہ حصہ تھا وہ منتخب کر کے مجھے دیا۔ اُس کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اول خنساء کو اپنا مال دیتے ہو اور وہ بھی منتخب کر کے یہ آخر کب تک ایسا ہوتا رہے گا اور اُس کے شوہر کا یہ حال ہے کہ وہ برابر تمام مال قمار بازی میں صرف کرتا جاتا ہے۔

صخر نے اس کے جواب میں اپنی بیوی کو یہ شعر پڑھ کر سنائے:

واللہ لا منحها شرارها وهي حصان قد كفتني عارها

ولو هلكت مزقت خمارها واتخذت من شعر صدارها

خدا کی قسم میں اس کو مال کا بدترین حصہ نہیں دوں گا اور وہ عفیفہ ہے میرے لئے اُس کا عار و ننگ کافی ہے (یعنی میں اُس کے عار و ننگ کا لحاظ رکھوں یہ میرے لئے کافی ہے) اگر میں مر جاؤں گا تو وہ اپنی اوڑھنی کو (میرے غم میں) پھاڑے گی اور وہ (میرے سوگ میں) اپنے بالوں کا صدار بنالے گی چنانچہ میں نے اس کی یادگار میں یہ سر بند باندھا ہے۔

وفات

حضرت خنساء نے جنگِ قادسیہ کے کم و بیش سات سال بعد ۲۴ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ معاویہ بن سفیان کے زمانہ خلافت میں کسی بیابان کے اندر انہوں نے انتقال کیا۔ (درمنثور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں

اگرچہ حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہر صحابی جوہر آبدار تھا لیکن بعض ان میں کسی خصوصی وجہ سے ممتاز اور اعلیٰ شان کے مالک ہوئے ان میں حضرت انس (رضی اللہ عنہ) بھی ہیں جنہیں ماں کی تربیت نے اتنا اونچا مقام بخشا جو اہل علم سے مخفی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں کا تعارف

آپ کا نام رمیلہ یا سہلہ اور بعض کے نزدیک رمیثہ ہے، اُمِ سلیم اور اُمِ انس، کنیت اُمِ سلیم زیادہ معروف ہے، غمیصاء ،رمیصا لقب ہے، ان کے باپ ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب تھے، جو مدینہ کے باشندے اور انصار کے قبیلۂ نجار

سے متعلق تھے، ماں کا نام ملیکہ تھا جو مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی بیٹی تھیں۔
آبائی سلسلہ سے آپ سلمٰی بنتِ یزید کی پوتی تھیں، سلمٰی عبدالمطلب کی والدہ تھیں، اسی وجہ سے اُمِ سلیم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خالہ مشہور ہیں۔ پہلے ان کا نکاح مالک بن نضر سے ہوا جو ان کے ہم قبیلہ تھے، حضرت انس (رضی اللہ عنہ) انھیں سے پیدا ہوئے۔

اسلام

اوائلِ اسلام میں مسلمان ہوئیں، اسی بناپر حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے:

"اسلمت مع السابقین الی الا سلام من الانصار."

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) اس وقت بچہ تھے، حضرت اُمِ سلیم ان کو کلمہ پڑھاتی تھیں تو مالک بن نضر جو اپنے مذہب پر قائم تھا اور مشرک تھا، بہت خفا ہوتا تھا کہ تم میرے بچے کو بھی بے دین کئے دیتی ہو۔ غرض وہ مسلمان نہ ہونا تھا نہ ہوا اور اسی حالت میں ناراض ہو کر شام چلا گیا۔
یہاں ان کا کوئی دشمن پہلے سے منتظر تھا اس نے موقعہ پاکر قتل کر ڈالا، اب اُمِ سلیم بیوہ تھیں اور انس کے بچپن سے بہت پریشان، اگر ایسے وقت میں نکاح کر لیتیں تو قابلِ الزام نہ تھیں مگر انھوں نے بڑے استقلال سے کام لیا اور سب کے پیغام یہ کہہ کر رد کردیے کہ جب تک میرا بیٹا مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہوجائے نکاح نہ کروں گی، پھر جب انس ہی میرے نکاح پر رضامند ہوگا تو کروں گی۔ ان کا یہ کہنا اس خیال سے تھا کہ سوتیلے باپ سے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کو تکلیف نہ ہو۔ (طبقات)
جب حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سنِ شعور کو پہنچے تو انھیں کے قبیلہ کے ایک شخص ابوطلحہ نے نکاح کا پیام دیا، مگر مالک کی طرح یہ بھی مشرک تھے اور یہاں بھی وہی امر حائل تھا جو پہلے مالک اور اُن کے درمیان کشیدگی کا باعث ہوا، اس لئے انہوں نے عذر کیا اور کہا کہ میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائی ہوں، اور گواہی دیتی ہوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں تمہارے

اوپر البتہ افسوس ہے کہ پتھر کو پوجتے ہو یا لکڑی کے بُت تم کو کچھ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' یہ تلقین کچھ ایسے حکیمانہ انداز میں کی گئی کہ اسلام کی صداقت، ابوطلحہ کے سمجھ میں آ گئی اور چند دن کے غور کے بعد وہ اُمِ سلیم کے پاس آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (طبقات)

ابوطلحہ بہت معمولی حیثیت کے آدمی تھے مگر چونکہ اُمِ سلیم کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے تھے اس لئے اُمِ سلیم کے دل میں اُن کی حق پسندی کی وقعت بڑھ گئی اور اُنہوں نے قبولِ اسلام کے بعد ہی ابوطلحہ سے کہہ دیا کہ

''فانی اتزوجک ولا اخذ منک وصداقًا غیرہ.''

میں بھی تم سے نکاح کرتی ہوں اور سوائے اسلام کے کوئی مہر نہیں لیتی۔ یعنی اُن کا مہر ابوطلحہ کا اسلام قرار پایا۔ یہ نکاح حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے زیرِ اہتمام ہوا۔ (طبقات)

عام حالات

حضرت اُمِ سلیم بھی بعض مسلمان شیر دل عورتوں کی طرح معرکہ کی لڑائیوں میں مردوں کے دوش بدوش رہیں اور برابر کام کرتی رہیں۔ صحیح مسلم میں ہے:

''کان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یغزو بام سلیم ونسوۃ من الانصار معہ اذا غزا فیسقین الماء ویداوین الجرحی.''

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) غزوات میں اُمِ سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ رکھتے تھے، جب آپ جنگ میں مشغول ہوتے تو یہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (مسلم شریف)

جنگِ اُحد میں اُمِ سلیم معہ اپنے شوہر ابوطلحہ کے شریک تھیں ابوطلحہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت میں دشمنوں کے تیر اور نیزے جگر پر روکتے تھے اور اُمِ سلیم بڑی مستعدی سے مجاہدین کی خدمت میں مصروف تھیں، حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ اور اُمِ سلیم کو پائچے چڑھائے مشک بھر بھر کر لاتے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا، جب مشک خالی ہو جاتی تو پھر بھر لاتی تھیں۔ (مسلم شریف)

معرکۂ خیبر ۹ھ میں ہوا۔ اس میں بھی حضرت اُمِ سلیم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تھیں۔ فتح کے بعد جب حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) ازواجِ مطہرات میں داخل ہونے لگیں تو آپ نے ان کو اُمِ سلیم کے سپرد کیا کہ دُلہن بنائیں۔ (مسلم شریف)

جنگِ حنین میں حضرت اُمِ سلیم شریک تھیں اور باوجودیکہ عبداللہ بن ابی طلحہ پیٹ میں تھے، آپ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے تھیں۔ ابوطلحہ نے آنحضرت (ﷺ) سے کہا کہ اُمِ سلیم ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا کروگی بولیں۔

"ان دنامنی احد من المشرکین بفرت به بطنه."

"کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس کا پیٹ چاک کردوں گی۔" آپ نے تبسم فرمایا پھر بولیں یارسول اللہ (ﷺ) ابکہ کے لوگ بھاگ گئے ہیں ان کے قتل کا ایما فرمایئے ارشاد ہوا:

"ان اللہ قد کفٰے واحسن."

اللہ نے خود ان کا بہتر انتظام کردیا ہے۔ (طبقات)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تربیت کاانتخاب

ابوطلحہ سے نکاح ہوجانے کے بعد جب آنحضرت (ﷺ) مدینہ تشریف لائے تو اُمِ سلیم حضرت انس کو آپ کی خدمت میں دے چکی تھیں حضرت انس (رضی اللہ عنہ) آپ (ﷺ) کے خدامِ خاص سے تھے اور بہت محبوب تھے۔ ایک بار آپ اُمِ سلیم کے گھر آئے تو اُمِ سلیم نے مکھن اور کھجوریں پیش کیں۔ آپ (ﷺ) نے عذر فرمایا کہ میں روزے سے ہوں، تھوڑی دیر قیام فرمانے کے بعد نفل نماز پڑھی اور اُمِ سلیم اور اُن کے خاندان کے لئے دعا مانگی اُمِ سلیم نے دیکھا کہ اس وقت محبتِ نبوی جوش پر ہے تو کہا یارسول اللہ! (ﷺ) میں سب سے زیادہ انس کو چاہتی ہوں، جو آپ (ﷺ) کا خدمت گار ہے اس کے لئے خصوصیت سے دعا فرمایئے، یہ ایسی مبارک استدعا تھی کہ آپ (ﷺ) نے دین ودنیا کی کوئی خوبی نہ چھوڑی جس کی انس (رضی اللہ عنہ) کیلئے دعا نہ کی ہو، اور فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ ارزقه مالًا وولداوبارک له."

اے اللہ اس کو مال دے، اولاد دے اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما، اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) تمام انصار سے زیادہ متمول اور معمر ہوئے۔ کثرت سے اولاد ہوئی اور سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ خود حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کا قول ہے کہ

"فانی لمن اکثر الانصار مالًا."

میں اکثر انصار سے دولت مند ہوں، اور میرے ہی صُلب سے حجاج کے بصرہ آنے تک ایک سو اُنتیس بیٹے دفن

ہوگئے۔(طبقات)

ابو عمیر سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مزاح

حضرت ابوطلحہ کے صُلب سے ان کا ایک بیٹا ابوعمیر بھی تھا، ابوعمیر چھوٹا تھا اور کم سنی ہی میں انتقال کرگیا، ایک بار آپ ابوطلحہ کے گھر تشریف لائے اور ابوعمیر کو رنجیدہ دیکھ کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُمِ سلیم سے دریافت فرمایا کیا بات ہے آج میں ابوعمیر کو سُست دیکھتا ہوں، اُمِ سلیم نے کہا ان کی ایک چڑیا (نغیر) مرگئی وہ اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلاکر ابوعمیر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

"یا ابو عمیر مافعل النغیر."

اے ابوعمیر! تیری نغیر کیا ہوئی، وہ ہنس دیا اور اس وقت سے یہ جملہ بطور تبرکاتِ نبوی ضرب المثل ہوگیا۔(طبقات)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زینب بنتِ جحش (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو اُمِ سلیم نے ایک لگن میں ملیدہ بناکر حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ بھیجا اور کہا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کرنا کہ یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیں۔(مسلم)

اخلاق وعادات

آپ نہایت پاکیزہ اخلاق کی بیوی تھیں، صبر واستقلال تو ان کا امتیازی وصف تھا یہی ابوعمیر جن کا اوپر ذکر ہوا جب انتقال کرگیا تو اُمِ سلیم نے بڑے اطمینان سے میت کو نہلایا اور کفنا کر ایک طرف رکھ دیا لوگوں کو منع کردیا کہ ابوطلحہ کو خبر نہ کریں، ابوطلحہ اس وقت موجود نہ تھے، کہیں گئے ہوئے تھے، جب رات کو آئے تو لڑکے کا حال پوچھا، بولیں جس حال میں تم نے دیکھا تھا اس سے بہتر ہے۔اس کے بعد اُمِ سلیم نے کھانا کھلایا اطمینان سے بٹھایا اور جب ضروریات سے فارغ ہوکر کچھ رات گذری تو نہایت متانت سے بولیں۔"ابوطلحہ! کسی کو اگر کوئی چیز مستعار دی جائے اور وہ اُس سے فائدہ بھی اٹھائے ......مگر جب وہ شے مستعار واپس لے لی جائے تو کیا اس شخص کو ناگوار ہونا چاہئے۔" حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ یہ بات تو قرینِ انصاف نہیں ہے، بولیں تو تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھا جو واپس لے لیا گیا، یہ سُن کر ابوطلحہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. پڑھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔صبح ہوئی تو اس واقعہ کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اظہارِ مسرت فرمایا اور دعا دی کہ اللہ عزوجل ابوعمیر کا نعم البدل عطا فرمائے چنانچہ ابوعمیر کے بعد عبداللہ کی ولادت ہوئی جن کی تربیت خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی اسی کی برکت تھی کہ عبداللہ بڑے صاحب کمال ہوئے اور ان کی اولاد میں دس قاری ماہر فن پیدا ہوئے۔(اصابہ)

اُمِّ سلیم کے عقائد کے نمونے

حضور (ﷺ) کے ساتھ آپ کا اعتقاد بہت بڑھا ہوا تھا، اور آپ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ ایک بار ابوطلحہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ (ﷺ) بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو، حضرت اُمِّ سلیم نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کو دیں کہ بارگاہِ نبوت میں پیش کریں۔ آپ مسجد میں معہ چند صحابہ کے تشریف رکھتے تھے۔ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تو فرمایا، تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے، کہا جی ہاں، فرمایا کھانے کے لئے، بولے ہاں۔ آپ معہ تمام حاضر الوقت صحابہ کے گھر تشریف لائے وہ گھبرائے اور اُمِّ سلیم نے اس وقت بھی نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں سے خدا جل جلالہٗ اور رسول (ﷺ) زیادہ واقف ہیں، آپ اندر آئے تو اُنہوں نے روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا اور رسول اللہ (ﷺ) نے تمام اصحاب کے ساتھ تناول فرمایا۔

موئے مبارک بطور تبرک محفوظ

فراغتِ حج کے بعد آنحضرت (ﷺ) نے مقام منیٰ میں موئے مبارک ترشوائے۔ اُمِّ سلیم نے ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ حجام سے ان بالوں کو مانگ لو اور برکت کی غرض سے ان کو ایک شیشی میں بند کر کے رکھ لیا۔ (طبقات)

پسینہ مبارک تبرک

آنحضرت (ﷺ) اکثر ان کے گھر آرام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اُمِّ سلیم جبینِ مبارک سے پسینہ پونچھ رہی ہیں۔ فرمایا اُمِّ سلیم! یہ کیا کر رہی ہو۔ بولیں، برکت حاصل کر رہی ہوں۔ (طبقات)

ایضاً

مسندِ احمد میں یہ روایت تھوڑے اختلاف کے ساتھ آئی ہے، لکھا ہے جب آپ دوپہر کو آرام فرما کر بستر سے اُٹھتے تو وہ آپ کے پسینہ اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔

ایک اور تبرک محفوظ

ایک بار آنحضرت (ﷺ) نے اُن کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو اُمِّ سلیم نے مشکیزہ کا دہانہ کاٹ کر رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ (ﷺ) کا دہن مبارک مَس ہوا ہے۔ (طبقات)

حُبِّ رسول (ﷺ) کے نمونے

یہی حال رسول اللہ (ﷺ) کی محبت کا تھا اُمِّ سلیم کے ساتھ۔ آپ (ﷺ) ان کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ کرتے

تھےاوران کے لئے خیروبرکت کی دعافرماتے تھے۔

مروی ہے کہ:

۱)......کان النبی لایدخل علی احد من النساء الاعلی ازواجه الا اُم سلیم فانه یدخل علیها فقیل له فی ذلک فقال انی ارحمها قتل اخوها معی. (رواہ مسلم)

یعنی آپ ازواجِ مطہرات کے علاوہ کسی اور عورت کے ہاں نہیں جاتے تھے،البتہ اُمِ سلیم مستثنیٰ تھیں۔لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی نے میری اعانت میں شہادت پائی ہے۔(طبقات)

۲)بعض اوقات آپ اُمِ سلیم کے ہاں ہوتے اور نماز کا وقت آجاتا تو وہیں چٹائی پرنماز پڑھ لیتے۔(طبقات)

۳)ایک مرتبہ آنحضرت (ﷺ) حج کے لئے مکہ چلے تو اُمِ سلیم سے فرمایا:''تم اس سال ہمارے سال حج نہیں کرتیں۔''جواب دیا یانبی اللہ (ﷺ) میرے شوہر کے پاس دوسواریاں ہیں اوران دونوں پر وہ معہ اپنے بیٹے کے حج کو چلے گئے ،مجھے چھوڑ دیا،آپ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ سوار کردیا،راستہ میں عورتوں کے اونٹ پیچھے رہ گئے،ہانکنے والے آپ (ﷺ) کے غلام انجشہ تھے انہوں نے حدی خوانی شروع کردی جس سے اونٹ دوڑنے لگے یہ دیکھ کرآپ (ﷺ) قریب آئے اورفرمایا انجشہ آہستہ آہستہ! شیشے ہیں شیشے۔(طبقات)

تربیت کا سلیقہ

حضرت اُمِ سلیم کوتربیتِ اولاد کا جوسلیقہ تھااس کا اندازہ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے اس فقرے سے ہوسکتا ہے کہ

جزے اللّٰہ امی عنی خیرالقد احسنت ولایتی.

اللہ میری والدہ کوجزائے خیردے انہوں نے میری بہت خوبی سے کفالت کی۔(طبقات)

فضل وکمال

حضرت اُمِ سلیم بڑی عقل وکمال والی خاتون تھیں اورآپ نے نہایت دقیقہ شناس اورنکتہ رس دماغ پایا تھا،ابنِ اثیر نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ

کانت من عقلاء النساء.

آپ عقلمندعورتوں میں سے تھیں۔

حدیث کی عالمہ

حدیث کا علم بھی اچھا تھا، لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے اور شکوک رفع کرتے تھے، ایک بار حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عباس میں ایک مسئلہ پر اختلاف ہوا تو دونوں نے انہیں کو حکم قرار دیا۔ (مسند احمد)

مسائل پر عبور

مسائل پوچھنے میں شرم نہیں کرتی تھیں، ایک دفعہ آنحضرت (ﷺ) سے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے؟ امّ المومنین حضرت امّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) سن رہی تھیں، بے ساختہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی توہین کی، کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے، آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے۔ (بخاری شریف)

مبلّغہ اُمِ سلیم

ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) کے اسلام کا حال گزر چکا ہے جس شائستگی سے انھوں نے ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) کو دعوت دی وہ ان کے فضائل وکمالاتِ عقلی کا زریں عنوان ہے، اصابہ میں ان کا اندازِ تبلیغ یوں دکھلایا ہے:

قالت یا ابا طلحة! الست تعلم ان الھک الذی تعبد نبت من الارض قال بلیٰ قالت افلا تستحی تعبد شجرة

بولیں ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ)! کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارا معبود زمین سے اُگا ہے، کہا ہاں۔ امّ سلیم نے کہا تو پھر تم کو شرم نہیں آتی درخت کی پوجا کرتے ہو۔ (اصابہ)

مناقب اُمِ سلیم

حضرت اُمّ سلیم کے مناقب بہت ہیں اور اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوسکتی ہے:

قال النبی ﷺ دخلت الجنته فسمعت خشفة فقلت ما ھذا فقیل الر میصاء بنت ملحان.

(طبقات و مسلم)

آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو کچھ آہٹ معلوم ہوئی، میں نے پوچھا کون ہے تو مجھے بتایا گیا رمیصا بنت ملحان (رضی اللہ عنہا) ہیں۔

نوٹ

خواتین کو انکے حالات سے سبق لینا چاہے یہ بھی یاد رہے کہ ام سلیم کی عقیدت و محبت کے نمونے اہلسنّت (بریلوی) میں پائے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ جماعت صحابہ کرام کی حقیقی وارث ہے مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کا رسالہ ''صحابہ کے وارث کون''

امام ربیعه کی ماں

حضرت ربیعہ ایک بہت بڑے محدث اور عالم گزرے ہیں جو حضرت امام مالک (رحمته الله علیه) کے استاد تھے۔ بچپن کے زمانہ میں ان کے والد کسی سفر پر چلے گئے۔ چلتے وقت ربیعہ (رحمته الله علیه) کی والدہ کو تیس ہزار اشرفیاں دے گئے تھے۔ حضرت ربیعہ (رحمته الله علیه) کی والدہ نے اپنے بچے کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے نیک عالموں اور بڑے بڑے محدثوں اور ادیبوں کے پاس اسے بٹھایا اور بچے کی تعلیم و تربیت میں تیس ہزار اشرفیاں ختم کر دیں۔ حضرت ربیعہ (رحمته الله علیه) لکھ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ربیعہ کے والد ایک عرصے کے بعد تشریف لائے تو بیوی سے دریافت کیا کہ وہ تیس ہزار اشرفیاں کہاں ہیں؟ بیوی نے کہا بہت حفاظت میں ہیں۔ پھر جب مسجد میں آئے تو اپنے بیٹے امام ربیعہ (رحمته الله علیه) کو دیکھا کہ درسِ حدیث کی مسند پر بیٹھے ہیں اور محدثین کو درس دے رہے ہیں اور لوگ ان کو اپنا امام اور پیشوا بنائے ہوئے ہیں تو مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے۔ جب گھر واپس آئے تو بیوی نے کہا کہ وہ تمام اشرفیاں تمھارے بیٹے کی تعلیم پر خرچ ہو چکی ہیں آپ نے اب اپنے صاحبزادے کو دیکھ لیا ہے۔ اب فرمایئے کہ آپ کی تیس ہزار اشرفیاں اچھی ہیں یا یہ دولت جو صاحبزادے کو حاصل ہوئی ہے؟ تو فرمانے لگے، بخدا اس عزت کے مقابلے میں اشرفیوں کی کیا حقیقت ہے۔ تم نے اشرفیوں کو ضائع نہیں کیا۔

تبصرۂ اویسی غفرله

اُس دور کی یہ اشرفیاں آج کی دولت کے مقابلہ میں کتنی خطیر رقم ہے لیکن وہ ساری رقم کی ساری خاتون نے بچے کی اسلامی تعلیم پر خرچ کر دی تو وہ بچہ امام مالک جیسے بڑے امام فقہ و حدیث کے استاد بنے۔ آج ہماری خواتین خرچ بھی نہ کریں کیونکہ دینی اسلامی مدارس عربیہ اسلامیہ عام ہیں صرف ان کی تعلیمی نگرانی کریں تو بچے بہت بڑے علمائے دین و مفتیانِ دین متین بن سکتے ہیں۔

انتباہ انتخاب تدریس کے لئے سُنّی علماء و سُنّی مدارس ہونے ضروری ہیں ورنہ بچہ، بچی کسی بد مذاہب دیوبندی

وہابی، مرزائی شیعہ وغیرہ میں پھنسا تو وہ خود بھی تباہ ہوگا اور خاندان کو بھی لے ڈوبے گا۔

آج ہم بیشمار کنبے آنسو بہاتے افسوس کے ہاتھ ملتے دیکھ رہے ہیں کہ کل انہوں نے بچوں کو حافظ وعالم بنانے کی لالچ میں بدمذہبوں (دیوبندیوں، وہابیوں) کے مدارس میں داخل کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد انہی بچوں نے اپنے باپ اور ماں اور کنبے کو مشرک و بدبختی کہہ کر ٹھکرایا ہم نے بہت سے بندگانِ خدا کو بہت کچھ سمجھایا لیکن نہ مانے تو تھوڑے عرصہ بعد ان کو خون کے آنسو بہاتے دیکھا اللہ جل جلالہٗ عوام اہلسنّت کو دولتِ شعور سے نوازے۔ (آمین)

اولیائے کاملین کی مائیں

سابق اوراق میں چند نمونے صحابیات وتابعیات خواتین کے متعلق عرض کیے۔ ذیل میں چند نمونے اولیائے کاملین کی ماؤں کے متعلق عرض ہیں۔

ویسے تو الحمدللہ ہر ولی کامل کی ماں کے دودھ کی برکت ہے کہ اس کے ہاں ایک ولی اللہ نے تربیت پائی لیکن بعض ان میں خصوصیت سے ماں کی تربیت کے مرہونِ کرم ہوتے ہیں منجملہ چند بزرگوں کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

پیران پیر دستگیر سیّدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے والدین کریمین

دریائے دجلہ کے کنارے ابوصالح موسیٰ جنگی روزے کے حالت میں چلے جارہے تھے۔ کھانا کھائے ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔

کھانے کی کوئی ایسی اشیاء موجود نہ تھی کہ جس سے روزہ افطار کر کے بھوک کی شدت کو دور کیا جاسکے۔ عین افطار کے وقت ایک سیب پانی میں بہتا ہوا چلا آرہا تھا۔ آپ نے اس سیب کو ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا اور اس سے روزہ افطار کیا۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد اچانک خیال آیا کہ سیب مالک کی اجازت کے بغیر کھالیا غضب ہوگیا۔

روزِ محشر اگر مالک نے سیب طلب کیا تو کہاں سے دوں گا۔ یہ سوچ کر بے قرار ہوگئے فوراً فیصلہ کیا کیوں نہ اس کے مالک کو تلاش کر کے معافی طلب کرلی جائے چنانچہ وہ دریا کی مخالف سمت میں چل دیئے اور کئی دنوں کی مسافت کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں دریا کسی باغ میں سے گزر رہا تھا اور دریا کے کنارے سیب کے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے تھے۔ جن پر بے شمار سیب لٹک رہے تھے۔ آپ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ سیب انہیں درختوں میں سے کسی ایک درخت سے دریا میں گرا ہے۔

لہذا آپ باغ کے مالک کے پاس معافی کی طلب کی غرض سے باغ میں داخل ہوئے۔ یہ باغ وقت کے ولی حضرت عبداللہ صومعی (رحمتہ اللہ علیہ) کا تھا۔ جو صاحب کرامت بزرگ تھے۔ وہ نوجوان حضرت عبداللہ صومعی (رحمتہ اللہ علیہ) کے پاس معافی مانگنے پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے حضور میں نے آپ کے باغ کا سیب جو کہ دریا میں بہتا چلا جا رہا تھا۔

آپ کی اجازت کے بغیر کھا لیا ہے۔ میں اپنی اس غلطی پر بہت شرمسار ہوں۔ برائے کرم میری اس غلطی کو معاف فرما دیں تا کہ بروز قیامت بارگاہ خداوندی میں مواخذہ نہ ہو۔

حضرت عبداللہ صومعی (رحمتہ اللہ علیہ) صاحب نظر اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ نوجوان کوئی غیر معمولی ہستی کا مالک ہے۔ کیوں نہ اسے اپنے پاس رکھ کر قرب الٰہی کی منازل طے کرائی جائیں اور انہیں کسی طرح نکلنے نہ دیا جائے۔ فرمایا اے نوجوان تو نے میری اجازت کے بغیر سیب کھا کر یقیناً غلطی کی ہے۔ اگر تو معافی چاہتا ہے تو دو سال تک میرے باغ کی رکھوالی کر پھر کہیں سوچوں گا کہ تیری اس غلطی کو معاف کیا جائے یا کہ نہیں۔ چنانچہ اس نوجوان نے یہ شرط منظور کر لی اور مسلسل دو سال تک خدمت میں گزار کر پھر حاضر خدمت ہوئے عرض کی حضور دو سال بیت چکے ہیں خدارا میری اس غلطی کو معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ابھی دو سال اور اس باغ کو سیراب کرو۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ تمہاری غلطی معاف کی جائے یا کہ نہیں۔ وہ نوجوان کام میں مشغول ہو گیا۔

انتہائی محنت اور دیانت داری سے باغ کو پانی دیا کرتے دن بھر روزہ رکھتے اور رات کا کثیر حصہ عبادت میں بسر کرتے۔ روایت میں آتا ہے کہ محمد ابو صالح جنگی نے بارہ سال تک اس باغ کی رکھوالی کی آخر کار حضرت عبداللہ صومعی (رحمتہ اللہ علیہ) نے آخری شرط یہ رکھی

اے نوجوان بیشک تم آزمائش کی کسوٹی پر پورے اترے ہو مگر ابھی ایک خدمت اور باقی ہے وہ یہ ہے کہ میری بیٹی سے شادی کرنا ہوگی جو کہ بہت عیب دار ہے۔ آنکھوں سے اندھی ہے کانوں سے بہری ہے۔ پاؤں سے لنگڑی ہے۔ اور زبان سے گونگی ہے۔ کیا تمہیں میری یہ آخری شرط منظور ہے۔ نوجوان محمد ابو صالح عرض کرنے لگے، حضور اگر آپ کی مرضی اسی میں ہے تو بھلا میں کیا اعتراض کر سکتا ہوں مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ صومعی (رحمتہ اللہ علیہ) نے اپنی بیٹی کا نکاح اس نوجوان سے کر دیا۔ جب وہ نوجوان پہلی رات اپنی رفیقۂ حیات کے پاس گیا اور انہوں نے اپنی بیوی پر نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ گویا وہ کوئی پرستان

کی پری ہے حسن وجمال کا ایسا پیکر ہے کہ جسے دیکھ کر جنت کی حوریں بھی فخر کریں۔ گویا چودھویں کا چمکتا ہوا ایک چاند ہے جس میں کسی قسم کا ظاہری عیب نہیں۔ انتہائی حسین آنکھیں، انتہائی دلکش آواز۔ آپ فوراً حضرت صومعی (رحمتہ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے حضور آپ نے تو فرمایا تھا کہ آپ کی بیٹی کافی عیب دار ہے۔ لیکن میں نے دیکھا وہ تو آنکھیں بھی رکھتی ہے۔ زبان سے بولتی بھی ہے۔ کانوں سے سنتی بھی ہے اور پاؤں سے چلتی بھی ہے۔ آخر ایسا کیوں؟

غوث اعظم ﷜ کی ماں کے اوصاف

حضرت صومعی نے فرمایا ابوصالح میں نے اپنی بیٹی میں جو عیب بتائے تھے وہ بالکل درست ہیں۔ میری بیٹی آنکھوں سے اندھی اس لئے ہے کہ آج تک اس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر مرد کو نہیں دیکھا، کانوں سے بہری اس لئے ہے کہ اس نے قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی دوسرا غیر ضروری جملہ نہیں سنا۔ زبان سے گونگی اس لئے کہ آج تک آیات قرآنی یا احادیث نبوی کے علاوہ کوئی دوسری غیر شرعی بات نہیں کی اور پاؤں سے لنگڑی اس لئے ہے کہ آج تک اپنے باپ کی دہلیز چھوڑ کر باہر نہیں نکلی، یہی وجہ ہے کہ میری بیٹی آنکھوں سے اندھی، پاؤں سے لنگڑی، زبان سے گونگی اور کانوں سے بہری ہے۔

اللہ اکبر! کیا شان تھی ہمارے اسلاف کی زہد تقوی پرہیزگاری وعبادات میں، جہاں حضرت صالح موسیٰ جنگی دوست یکتائے زمانہ تھے۔ اسی طرح آپ کی رفیقہ حیات حضرت فاطمہ بنت عبداللہ صومعی بھی علم وعمل، شرم وحیا کی پیکر تھیں۔

دورِ حاضرہ کی خاتون

آج یہ باتیں مسلمان عورتوں میں کہاں؟ فیشن پرستی کی یلغار نے تو آج کی مسلمان عورت کو بے پردہ کر کے رکھ دیا۔ غیر مردوں سے میل جول رکھنا گویا عورتوں کا معمول بن گیا۔

شرم وحیاء ادب ولحاظ آج ان میں ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ انگریزوں اور یہود وہنود کی اندھی تقلید نے مسلمان عورتوں کی آنکھوں کو خیرہ کر کے رکھ دیا۔

وہ معزز تھیں زمانے میں مسلماں ہوکر
ہوگئیں خوار اب تارکِ قرآں ہوکر

ولادتِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ

۴۷۱ھ کی بات ہے اسی نیک سیرت فاطمہ (رحمۃ اللہ علیہا) کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا، اتفاق کی بات ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو گیا ماں نے محسوس کیا کہ ان کا بیٹا سحری کے بعد افطار تک دودھ نہیں پیتا۔ انہوں نے یہ بات اپنے شوہر کو بتا دی۔ شوہر سے دوسروں تک یہ بات پہنچ گئی۔ اور یہ بات پوری بستی میں مشہور ہو گئی کہ دن کو بچہ روزہ رکھتا ہے۔ اسطرح لوگ اس بچے کی زیارت کرنے آنے لگے۔

شیر خوار بچہ روزہ دار

۲۹ ویں رمضان کو لوگ عید کا چاند دیکھنے کے لئے بے چین تھے مگر سارے آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ انہیں یہ تشویش ہونے لگی کہ عید کا چاند ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ کیسے لگایا جائے۔ اسی فکر میں بڑے بڑے علماء کرام سر جوڑ کر بیٹھ گئے تا کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نکل سکے۔ اچانک کسی نے پکار کر کہا اے لوگوں ہمارے لئے ایک ذریعہ موجود ہے جس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ عید کا چاند نظر آیا ہے یا نہیں آپ لوگ ہرگز پریشان نہ ہوں۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کون سا ذریعہ کیا ابر آلود فضا میں چاند دیکھا جا سکتا ہے؟ مشورہ دینے والے نے جواب دیا۔ آپ لوگ سحری کے وقت ابو صالح موسیٰ جنگی دوست کے گھر تشریف لے جائیں اور ان سے یہ معلوم کریں کہ ان کا نومولود بچہ دودھ پی رہا ہے یا نہیں اگر دودھ نہیں پی رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ عید کا چاند نظر نہیں آیا اور نومولود بچہ روزے سے ہے۔ لیکن اگر وہ دودھ پی رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ بچے کا روزہ نہیں ہے اور عید کا چاند نظر آ گیا ہے۔

بات لوگوں کی سمجھ میں آ گئی کہ یہ پیچیدہ مسئلہ اسی طرح حل ہوگا۔ انہوں نے جیسے تیسے کر کے رات گزاری اور سحری کے بعد نماز فجر کی ادائیگی سے قبل ابو صالح کے گھر پہنچ گئے اور حضرت ابو صالح (رحمتہ اللہ علیہ) سے دریافت کیا کہ آپ کا نومولود شیر خوار بچہ دودھ پی رہا ہے یا نہیں۔ ابو صالح نے اس کا سبب پوچھا تو لوگ بولے ابو صالح آپ کا بیٹا مادر زاد ولی ہے اگر وہ دودھ نہیں پی رہا ہوگا تو وہ روزے سے ہے اور اگر پی رہا ہوگا تو آج ان کا روزہ نہیں لہٰذا آج عید ہو گی۔

ابو صالح (رحمتہ اللہ علیہ) اندر گئے اور اپنی بیوی حضرت فاطمہ (رحمۃ اللہ علیہا) سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ بچہ دودھ نہیں پی رہا ہے۔ ابو صالح نے باہر آ کر اعلان کر دیا کہ انتیس کا چاند نہیں ہوا کیونکہ بچہ دودھ نہیں پی رہا ہے اسی وقت جیلان نامی قصبے میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ صبح عید نہیں ہے چنانچہ روزہ نہ توڑا جائے عید کل منائی جائے گی۔ اعلان سنتے ہی تمام اہلِ جیلان نے روزہ کی نیت کر لی۔

ابھی اس بچے نے ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ اسے ایک صدمے سے دوچار ہونا پڑا اس بچے کے والد ماجد شیخ ابوصالح جنگی دوست اچانک اس عالم دنیا سے عالم جاوداں کی طرف روانہ ہوگئے۔ والد کے انتقال کے بعد اس بچے کی پرورش ان کے نانا عبداللہ صومعی اور والدہ حضرت فاطمہ نے کی۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا بچپن

وہ بچہ جب چند برس کا ہوا تو ان کی والدہ نے ان کو مدرسہ میں دینی تعلیم کی غرض سے داخل کردیا۔ مدرسہ میں داخل ہونے کے پہلے دن ہی جب مدرسہ میں پہنچا ایک غیبی آواز آئی لوگو! اللہ کے ولی کو جگہ دو۔ ایک مرتبہ جب وہ مدرسہ جارہے تھے کہ انہوں نے اپنے اردگرد چند نورانی پیکروں کو ساتھ چلتے دیکھا یہ سب کے سب خاموش تھے لیکن جیسے ہی وہ مدرسہ میں داخل ہوئے نورانی پیکروں کی زبانیں کھل گئیں اور جوش وخروش سے پکار پکار کر کہنے لگے اے لوگو! ہٹو ہٹو اللہ کے دوست کو جگہ دو۔ وہ اسی طرح مسلسل مدرسے جاتے رہے۔

علم کا مسافر

جب کچھ بڑے ہوئے تو علم دین سیکھنے کا جذبہ پروان چڑھتا گیا۔ ایک دن اپنی والدہ سے کہنے لگے امی جان طلب علم کا جذبہ مجھے مجبور کررہا ہے کہ میں آپ سے جدا ہو جاؤں لہٰذا آپ مجھے خدا کی راہ میں وقف کردیں اور بغداد جانے کی اجازت دیں۔ ماں نے حیرت سے پوچھا اے میرے بیٹے بغداد جاکر کیا کروگے۔ جواب دیا وہاں علم دین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے وہ اپنے لاڈلے لختِ جگر کو ایک لمحے کے لئے اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ مگر اللہ جل مجدہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اس جدائی کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوگئیں۔ کیونکہ اپنے شوہر حضرت محمد ابوصالح جنگی دوست (رحمتہ اللہ علیہ) کے وصال کے بعد تمام تر دیکھ بھال اور پرورش کی ذمہ داری حضرت فاطمہ پر ہی عائد ہوگئی تھیں۔

ماں کی تربیت کا نمونہ

آپ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگیں اگر علم دین حاصل کرنے کا تجھے اتنا ہی شوق ہے تو میری طرف سے تجھے اجازت ہے اور میں تجھے اللہ جل مجدہ کی راہ میں وقف کرتی ہوں۔ بیٹا جہاں کہیں بھی رہو سچائی کا دامن تھامے رکھنا اور کبھی جھوٹ مت بولنا۔ بیٹا میں تمہارے اس سفر سے خوش ہوں۔ دل لگا کر علم دین حاصل کرنا۔ پھر ماں نے چالیس دینار ایک گدڑی میں سی دیئے۔ بیٹے نے پوچھا ماں تم یہ دینار گدڑی میں کیوں سی رہی ہو؟ ماں نے جواب دیا بیٹے راستہ بہت پُر

خطر ہے جگہ جگہ صحرائی ڈاکو مسافروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔اس طرح تیرے یہ دینار محفوظ رہیں گے۔آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ اس نیک سعادت مند بیٹے نے سامان سفر اٹھایا قافلہ بالکل تیار کھڑا تھا۔ماں گم سم کھڑی اپنے شہزادے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔یہ ایک ایسا طویل سفر تھا جو ماں کو صدموں سے نڈھال کئے ہوئے تھا۔ماں کا دل چور چور ہو رہا تھا مگر سب کچھ اللہ جل مجدہ کے لئے قربان کر دیا تھا۔

بیٹا ماں کی قدم بوسی کے لئے آخری بار قریب آتا ہے تا کہ ماں کی دعاؤں کو اپنے سفر میں شامل کر لیا جائے۔بیٹا ماں سے پوچھتا ہے ماں کوئی حکم کوئی نصیحت ہو تو فرما دیجئے تا کہ اس کی بجا آوری کر سکوں۔ماں نے دل کی گہرائیوں سے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور روتے روتے اپنے بیٹے کو آخری بار نصیحت کی اے میرے لال کسی حال میں بھی ہو راست گوئی کو مت چھوڑنا ہر حال میں سچائی کو اپنانا۔بیٹے نے بھی اشکبار ہوتے ہوئے اپنی ماں سے یہ عہد کیا کہ ماں میں ہر حال میں سچائی کی راہ اختیار کروں گا۔پھر بیٹے نے باہر کا رخ کیا ماں اس کو دروازے تک چھوڑنے آئیں اور جاتے جاتے ماں کے منہ سے یہ الفاظ نکلے بیٹا میں تمہیں اللہ کیلئے خود سے جدا کرتی ہوں۔اب قیامت ہی کے دن تم سے ملاقات ہوگی۔بیٹے نے آخری بار اپنی مقدس ماں کی زیارت کی آخر کار پھر قافلے کی جانب چل دیئے۔

ماں بیٹے کی جدائی

بیٹا ماں کی آنکھوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو چکا تھا۔قافلہ بغدا کی جانب چل پڑا۔اٹھارہ سالہ یہ نوعمر نوجوان اپنی ماں کو روتا چھوڑ کر راہ خدا میں وقف ہونے کے لئے بغداد جا رہا تھا بغدا کا فاصلہ ان کے وطن سے چار سو میل سے بھی زیادہ تھا۔کوہستانی سلسلوں بیابانوں اور صحراؤں سے گزرتا ہوا یہ قافلہ ہمدان سے نکل کر ترنگ کے سنسان صحرائی علاقے میں داخل ہو گیا۔اس علاقے میں ڈاکوؤں کا بڑا زور تھا۔

ڈاکوئوں کا حملہ

راستہ کیچڑ آلود تھا۔تا کہ اس دلدلی علاقے میں قافلے کی سست رفتاری ڈاکوؤں کو حملہ کرنے کا موقع فراہم کر دے۔

قافلے نے اس دلدلی علاقے میں قیام کا فیصلہ کیا کیونکہ آگے جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔یہ ایک مناسب جگہ تھی یہاں دور تک آنے جانے والوں پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔رات کا پچھلا پہر ہو چکا تھا۔اچانک مسلح ڈاکوؤں نے شاہینوں کی طرح جھپٹ کر مسافروں پر حملہ کر دیا۔شور و غل چیخ و پکار بھاگ دوڑ اور ہتھیاروں کی جھنا جھن سے پورا ماحول گونج اٹھا۔

ڈاکو انتہائی چالاک اور تجربہ کار تھے۔انہوں نے بڑی جلدی سے قافلے کو مغلوب کرلیا۔دیکھتے ہی دیکھتے میدان لاشوں سے پٹ گیا اور ڈاکوؤں نے قافلے والوں کے مال وزر پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔وہ نوجوان ایک طرف کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا ایک ڈاکو ان کے پاس آیا اے لڑکے تیرے پاس کیا مال ہے۔اس نے اپنی ماں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سچ سچ بتادیا کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں ۔جو میری ماں نے مجھے دیئے تھے ۔ ڈاکو زور زور سے قہقہہ لگانے لگا اور کہنے لگا بڑے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ہم سے بھی مذاق کررہے ہو۔جاؤ مزے کرو، یہ کہہ کر ڈاکو چلا گیا اور اپنے دوسرے ڈاکو ساتھی کو واقعہ سنایا۔

دوسرا ڈاکو یہ سن کر بڑا تعجب کرنے لگا اور کہنے لگا مجھے بتاؤ وہ لڑکا کہاں ہے۔پہلا ڈاکو بولا آؤ میرے ساتھ میں تمہیں اس سے ملاتا ہوں۔ڈاکو اپنے ساتھی کو اس نوجوان کے پاس لاتا ہے ساتھی ڈاکو آکر اس سے یہ کہتا ہے ۔اے لڑکے کیا تیرے پاس چالیس دینار موجود ہیں۔لڑکے نے جواب دیا ہاں میری گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ڈاکو ساتھی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی اتنی آسانی سے اپنی پوشیدہ رقم کی اطلاع کیسے دے سکتا ہے۔وہ بولا یوں لگتا ہے کہ اس نوجوان کے خوف سے ہوش وحواس گم ہوگئے ہیں۔ورنہ یہ ایسی بات ہرگز نہ کرتا۔

ڈاکو نوجوان کو اپنے سردار کے پاس لے جاتے ہیں اور سردار سے جا کر کہتے ہیں سردار یہ ایک عجیب وغریب نوجوان ہے آپ اس کی باتیں سنیں گے تو دنگ رہ جائیں گے۔

سردار نے پوچھا اے نوجوان تمہارا نام کیا ہے۔تو اس نے اپنا نام بتایا،تمہارے پاس رقم کتنی ہے؟اس نے جواب دیا چالیس دینار، سردار نے کہا وہ کہاں ہیں۔اس نے جواب دیا میری گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔سردار نے ڈاکوؤں کو حکم دیا ذرا گدڑی پھاڑ کر دیکھو،ڈاکو نے گدڑی کو ادھیڑ ڈالا اور چالیس دینار سردار کے سامنے رکھ دیئے۔

ڈاکوؤں کا سردار اور اس کے ساتھی یہ ماجرا دیکھ کر سکتے میں آگئے۔ڈاکوؤں کے سردار نے کہا آپ نے ہم لوگوں کو بغیر تلاش کئے کیوں بتادیا۔فرمایا میں نے اپنی والدہ سے عہد کیا ہے جھوٹ نہ بولوں گا۔بس یہ بات سن کر ڈاکو بے خود ہوگئے اور اس فرمانے کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ سب مرغ بسمل کی طرح لوٹنے لگے۔تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ایک توجہ دیدی اور دعا فرمائی کہ یا اللہ ان سب کا گناہ معاف فرما کر توبہ قبول کرلے۔آواز آئی سب کو بخشا اور مقبول کیا، جو سر اٹھایا سب کے سب ولی ہوگئے۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ : پیارے اور نازنین اور یتیم بچے کو صرف علم کی خاطر دوردراز سفر کی اجازت دینا اور

زادراہ نہ صرف ساتھ بھیجا بلکہ آپ کے لئے بغداد جانے والوں کے ہاتھوں بھیجتی رہیں۔حضور غوث اعظم (رضی اللہ عنہ) اگرچہ مادرزاد ولی اللہ سہی لیکن بالآخر ماں کی تربیت کا بھی تو دخل ہے۔

آج ہماری خواتین اپنے بچوں کو اپنے شہر بلکہ محلّہ تک اسلامی مدرسہ میں جانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔ہاں کالج کی تعلیم کے غلبہ نے ہمیں کہاں سے کہاں تک پہونچا دیا دور سابق ہیں اگر غوث (رضی اللہ عنہ) اتنا عظیم ولی اللہ بنے ہیں تو ماں کی تربیت کو بھی دخل ہے ایسی ہوتی ہیں ''اچھی مائیں''۔

نوٹ: بطور تبرک غوث اعظم (رضی اللہ عنہ) کی چند کرامات آپ کے دورانِ حمل اور بچپن کے دور کی ملاحظہ ہوں۔

شہِ جیلان رضی اللہ عنہ کا بچپن

شکم مادر میں

حضور غوث اعظم (رضی اللہ عنہ) شکم مادر میں ذکر اللہ کرتے تھے۔

جب ان کی والدہ مکرمہ (رضی اللہ عنہا) کو چھینک آتی اور وہ **الحمدللہ** پڑھتیں آپ ان کے جواب میں **یرحمک اللہ** کہتے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے ہونٹ ہلتے تھے اور کہہ رہے تھے ''اللہ اللہ'' اسی لئے آپ کا تاریخی نام عاشق ہے۔جب حضور غوث اعظم (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے تو گھر روشن ہوگیا۔

ابتدائی تعلیم

جب حضور غوث اعظم (رضی اللہ عنہ) پانچ سال کے ہوئے تو آپ کے والد گرامی نے آپ کو استاذ گرامی کے پاس پڑھانے کے لئے بٹھایا تو استاذ صاحب نے کہا بیٹے پڑھو **بسم اللہ**۔آپ نے **بسم اللہ** کے بعد پورے اٹھارہ پارے پڑھ کر سنا دیئے اور فرمایا کہ میری والدہ یہاں تک پڑھا کرتیں تھیں میں ان کے پیٹ میں سنا کرتا تو یاد ہوگیا۔

اے نور دیدئہ مصطفی برتو شود جانم فدا
دارم تمنا هرزمان مشتاق دیدار توأم
تو دارم هر سحر اے بادشه نامور
نامت کنم ورد زبان دیدارِ توأم

ترجمہ: اے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نورِ چشم آپ پر میری جان فدا ہر زمان میں آپ کے دیدار کا مشتاق ہوں۔ہر سحر میرا ورد زبان یہی ہے میری آخری تمنا تیری زیارت ہے اور بس۔

سُلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ

حضرت نظام الدین اولیاء(رحمتہ اللہ علیہ)پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں ۔اس دریتیم کی پرورش اور دینی واخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ جب دستار بندی کا وقت آیا تو والدہ ماجدہ سے آ کر کہا کہ اُستاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے۔میں دستار کہاں سے لاؤں، والدہ ماجدہ نے کہا بیٹا خاطر جمع رکھو میں اس کی تدبیر کروں گی ۔ چنانچہ روئی خرید کر اس کو کتوایا اور بہت جلد عمامہ تیار کر کے دیا۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماءِ وقت کی دعوت کی ۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ صاحبہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ سن کر بڑا ذوق آتا، ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا۔ چند دن متواتر اس

سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آ گیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔

یہ سن کر ایسا ذوق اور سرور حاصل ہوا کہ زبان سے بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک روز خواجہ صاحب نے والدہ کی قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی ۔ فرمایا کہ آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے؟ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب آ گیا۔ میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا میں نے کہا:

''مخدومہ! مجھ غریب وبے چارے کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟''

فرمایا:''اس کا جواب کل دوں گی۔''

میں نے اپنے دل میں کہا، اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا:

''کہ جاؤ رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔''

ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔ آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا خیریت ہے کہا ہاں۔

جب میں حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا کہ کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں اس کا جواب دیتی ہوں، غور سے سنو!

فرمایا! ''تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے؟ میں نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا ''خدایا اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جاں بحق تسلیم ہوئیں۔

میں نے اس پر خدا کا بہت شکر ادا کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔'' (ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور)

تبصرہ اویسی غفرلہٗ: یہ وہی شہزادہ نظام الدین (رحمتہ اللہ علیہ) ہیں جن کے لنگر کے ہفتہ میں اونٹ پیازوں کا چھلکا اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ہاں یہ وہی شہزادہ با کمال ہیں جن کے بیک وقت سات بادشاہ مرید تھے۔ ہاں جنہیں سلسلۂ چشتیہ میں سلسلہ نظامیہ سے نوازا گیا۔ یہ شان و مرتبہ مانا کہ وہبی تھا مانا کہ ان کی محنت و ریاضت کو بھی دخل تھا لیکن ماں کی تربیت کو بھی دخل ہے۔

ہماری اسلامی بہنوں کو بھی اپنے اسلاف کی ماؤں سے سبق سیکھنا چاہئے پھر دیکھیں کہ تمہاری گود میں بھی ایسے ہیرے موتی نظر آئینگے۔(ان شاء اللہ)

کتاب کو ضخامت سے بچانے کے لئے یہ دو نمونے عرض کئے ہیں۔ اب چند ننھے منّے بچوں کا ذکر کرتا ہوں اور اسی پر کتاب کا اختتام ہے کہ یہ مجاہدین اسلام اور اسلام کے نامور حضرات بھی ''اچھی ماؤں'' کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہے۔

دو ننھے مجاہد صحابی رضی اللہ عنہما

جب آنحضرت نبی کریم (ﷺ) نے صحابۂ کرام اور دیگر ساتھیوں کا قافلہ جنگ کے لیے تیار کیا تو ان لوگوں کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے دو بھائی معوذ اور معاذ بہت متاثر ہوئے اور آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قافلے میں شرکت کی اجازت چاہی۔ حضور (ﷺ) نے اُن بچوں کو پیار کیا اور کہا کہ تم ابھی چھوٹے ہو۔ جنگ کی تباہ کاریاں کیا جانو! لیکن بچوں میں جوشِ ایمان اس قدر ٹھاٹھیں مار رہا تھا کہ وہ بضد رہے اور حضور (ﷺ) کے قدموں پر گر کر آپ (ﷺ) کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ بھی جنگ میں جائیں گے۔

میدانِ بدر میں جب حق و باطل کے درمیان میدانِ کارزار گرم ہُوا۔ تو معوذ اور معاذ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ ذرا بتانا تو سہی وُہ ابوجہل کہاں ہے جو ہمارے آقا و والی حضور سرورِ کائنات (ﷺ) کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ انہیں بتایا گیا تو وُہ بچے اپنے آقا (ﷺ) کی لگن اور تڑپ لے کر اور اپنے سینوں کو نورِ ایمان سے منور کر کے اس کافر کی طرف لپکے اور ایک ہی وار سے اس قوی الجثہ ظالم کا کام تمام کر دیا۔ میدان میں نعرۂ تکبیر کی صدائیں گونج اٹھیں اور

لوگ ان دو بھائیوں کی بہادری اور جرأت کو دیکھ کر داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔کسی نے پوچھا کہ تم نے کس خیال میں اس کو قتل کیا ہے وہ بولے کہ

قسم کھائی تھی مرجائیں گے یامارین گے ناری کو
سُنا ھے گالیاں دیتا ھے وہ محبوبِ باری کو

رافع بن خدیج اورسمرہ رضی اللہ عنہما

غزوۂ اُحد میں مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر حضور سرورِ عالم (ﷺ) نے فوج کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم عمر تھے انہیں واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام۔

مگر جب حضرت ابن خدیج (رضی اللہ عنہ) سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو تم بھی واپس چلے جاؤ۔تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہوگئے تا کہ ان کا قد اونچا نظر آئے۔چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ فوج میں شامل کر لیے گئے۔

حضرت سمرہ (رضی اللہ عنہ) جو ایک کم عمر نوجوان تھے جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں اس لیے اگر وہ فوج میں لے لئے گئے ہیں تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی چاہیے۔

چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی حضرت سمرہ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین پر دے مارا اس طرح ان دو پُرجوش نوجوانوں کو جنگِ احد میں شرکت کی سعادت نصیب ہوگئی۔

یتیم شہید بچہ

حضرت عبدالواحد بن زید قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم جنگ کی تیاری کر رہے تھے میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہا کہ مجلس میں زور سے قرآن پاک کی یہی دو آیتیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ o (پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، ایت ۱۱۱،۱۱۲)

(**ترجمہ:** بیشک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ اُن کے لئے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں اُس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اُس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو۔)

پڑھ دے تاکہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب نصیب ہو۔ چنانچہ جب یہ دو آیتیں پڑھی گئیں تو ہمارے ہاں ایک نوجوان جس کی زیادہ سے زیادہ پندرہ سال عمر ہوگی حاضر ہوا اور وہ تھا بھی یتیم ۔ یعنی انہی ایام میں اس کا باپ فوت ہو چکا تھا اور اسے وراثت میں بکثرت مال و دولت حاصل ہوئی تھی اس نے مجھے کہا اے عبدالواحد بن زید کیا یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جان و مال لے کر بہشت عنایت فرماتا ہے۔ میں نے کہاں ہاں بالکل صحیح ہے اُس نے کہا تو پھر آپ گواہ ہو جایئے میں مال و جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بہشت لینا چاہتا ہوں۔ میں نے اُسے کہا عزیز ذرا سوچ لیجئے ۔ تلوار کی سختی بہت تیز ہوتی ہے اور تو ابھی بچہ ہے نامعلوم تلوار کی سختی تم برداشت نہ کر سکو اور پھر اس عزم سے باز رہو۔ اس نے کہا ''اے عبدالواحد بن زید'' یقین کیجئے میں نے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی جان و مال بہشت کے عوض پیش کر دی۔ اب اس عزم سے ہٹنا کسی ناقص العقل کا کام ہوگا۔ آپ گواہ رہیں میں اپنے عزم پر ڈٹا ہوا ہوں۔ حضرت عبدالواحد (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں بچے کی ان باتوں سے ہم سب حیران تھے۔ اور ہم سب اپنے آپ کو ملامت کرتے کہ چھوٹا بچہ ہو کر کتنا سمجھداری رکھتا ہے اور ہم کمزوری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ نوجوان مجھے مذکورہ بالا باتیں کہہ کر گھر چلا گیا اور واپس آ کر گھر کا سارا سامان میرے سپرد کر دیا۔ صرف ایک گھوڑا ایک تلوار و جنگی ضروریات کیلئے تھوڑا سا مال اپنے پاس رکھا۔ جب روانگی کا وقت قریب ہوا تو سب سے پہلے لشکرگاہ میں حاضر ہو کر کہا السلام علیکم! میں نے سلام کا جواب دے کر کہا ''تیری تجارت انشاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گی۔'' اس کے بعد سب چل پڑے اور وہ نوجوان ہمارے ساتھ تھا۔ اور اتنا شوق کہ دن کو روزہ سے رہتا اور رات میں عبادت میں مصروف۔ بلکہ ہم سب کی اور ہماری سواریوں کی بڑی شوق سے خدمت کرتے ہوئے چلتا رہتا۔ اور جب ہم سو جاتے تو وہ ہم سب پر پہرا دیتا۔ یہاں تک کہ دارالروم (میدانِ جنگ) میں پہنچے تو وہ اچانک بڑے زور سے کہتا تھا ''ہائے'' ۔ ''العيناء المرضيه''

میرے ساتھیوں نے کہا افسوس نوجوان کو وسوسۂ شیطانی نے گھیر لیا اب اس کا دماغی توازن بھی صحیح نہیں رہا۔ میں نے

اسے بلا کر پوچھا عزیز، ''العیناء المرضیہ'' کا کیا مطلب ہے اور تم اس کا کلمہ بار بار کیوں دہراتے ہو۔ اُس نے کہا حضرت! ماجرا یوں ہے کہ میں ایک شب سو رہا تھا مجھے اونگھ سی آ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاں کوئی آنے والا آیا ہے اور کہا چلو۔ ''العیناء المرضیہ'' کے پاس، یہ کہہ کر مجھے ایک باغ میں لایا گیا۔ جس کے اندر ایک ٹھنڈے پانی کی نہر چل رہی تھی اور اس کے کنارے چند حسین لڑکیاں بیٹھیں تھیں۔ جن کے لباس اور زیورات اتنے قیمتی اور بہترین تھے جو کبھی نہ دیکھے نہ سنے اور نہ ہی اب میں ان کے متعلق کچھ بتا سکتا ہوں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا اور آپس میں کہنے لگیں۔ ''العیناء المرضیہ'' کے شوہر گرامی یہی ہیں۔ میں نے انہیں السلام علیکن کہہ کر پوچھا، ''العیناء المرضیہ'' تمہیں میں کوئی ہے انہوں نے کہا نہیں۔ جناب وہ تو ہماری آقا اور ہم ان کی نوکرانیاں ہیں۔ ذرا آگے تشریف لے جایئے۔ میں آگے بڑھا تو مجھے ایک بہترین محل نظر آیا جس کے اندر ٹھنڈے میٹھے دودھ کی نہر جاری تھی اور اس کے کنارے پہلے کی طرح چند حسین و جمیل نوخیز لڑکیاں بیٹھی تھیں جنہیں دیکھتے ہی ہر انسان اپنے قابو سے باہر ہو جائے۔ انہوں نے پہلی لڑکیوں کی طرح میرا استقبال کیا اور ان سے بھی وہی گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بھی وہی کہا کہ ہم اس کی خادمہ ہیں۔ ذرا آگے بڑھیے۔ میں تھوڑا آگے بڑھا تو بہترین محل نظر آیا۔ اس کے اندر شراب طہور کی نہر چل رہی تھی۔ اس کے کنارے حسب دستور چند لڑکیاں بیٹھیں تھیں۔ جن کے حُسن و جمال کو دیکھ کر پچھلی تمام حسین و جمیلہ لڑکیوں کا حسن و جمال میرے ذہن سے اتر گیا۔ ان سے بھی وہی گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بھی آگے چلنے کا کہا۔ میں کچھ آگے گیا تو دیکھا کہ ایک نہر شہد کی چل رہی ہے۔ اس کے آگے ایک موتیوں کا بہترین محل ہے۔ جس کے آگے ایک حسینہ جمیلہ لڑکی بیٹھی نظر آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی اور باہر سے آواز دی۔ ''العیناء المرضیہ'' تمہیں مبارک ہو تیرا شوہر آ گیا ہے۔ میں جونہی خیمہ کے قریب گیا اور اندر جھانک کر دیکھا تو وہ ''العیناء المرضیہ'' ایک سنہری پلنگ پر بیٹھی ہے۔ اسے جب میں نے دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے اور وہ مجھے کہتی تھی،

مرحبا یا ولی اللہ

تمہیں مژدہ باد! یہاں پر تمہارے تشریف لانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگانا چاہا تو اس نے کہا کہ ٹھہریئے۔ ابھی تمہارے گلے لگانے کا وقت نہیں آیا۔ اس لئے کہ تم عالمِ دنیا میں ہو البتہ واپس چلے جاؤ۔ جنگ میں شرکت کرو۔ شام تک تمہارا رہنا سہنا عالم دنیا میں لکھا ہے۔ بعد ازاں تم ہمارے ہاں تشریف لا کر روزہ یہاں افطار کرو گے۔ (انشاء اللہ)

اے عبدالواحد بن زید! یہ ماجرا ہوا۔ اسکے بعد میں جاگا تو نہ مجھے قرار ہے نہ سکون۔ میں تو ایک لمحہ بھی اس دنیا میں نہیں

رہنا چاہتا۔ مجھے ''العیناء المرضیہ'' کی یاد ستارہی ہے۔

ہم ابھی باہم گفتگو میں تھے کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے جنگ کا اعلان ہوگیا اسی اثناء میں دشمنوں کا ابتدائی دستہ تلواریں چمکاتا ہوا ہمارے مجاہدین کے مقابلے کیلئے میدان جنگ میں آدھمکا تو فوراً ہی نوجوان میدان جنگ میں کود پڑا اور بڑے جذبے کے ساتھ جوانمردی کے جوہر دکھلائے۔ دشمنوں کے نو بہادروں کو جہنم رسید کیا دسویں پر حملہ کیا تو میں نے نوجوان کو دیکھا کہ خون سے لت پت ہوگیا اور اس پر دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے کافی زخم آچکے تھے میرے پہنچتے ہی ہنستے ہوئے دم توڑا۔ (روح البیان: پ ۱۱)

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن

ماں باپ کی نیک تربیت ہو تو بچے اپنے دور کے مجدد اور مصلح اعظم بھی بن سکتے ہیں ایک ایسے بچہ کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

روزہ

شہر عشق وسُرور بریلی شریف ہے۔ رمضان مبارک کا مہینہ اپنی رحمتیں برکتیں خوب لٹا رہا ہے بریلی شریف کے محلّہ سوداگراں کے علمی خاندان میں ایک بچہ کی روزہ کشائی ہے۔ روزہ کشائی کی تیاریاں ہورہی ہیں اور آج عزیز و اقارب کو افطار کرانے کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔ سہ پہر کا وقت ہوا تو سامانِ افطار کی تیاری شروع ہوگئی۔ ایک الگ کمرے میں پھل فروٹ اور دیگر سامان کے علاوہ فرنی کے پیالے بھی چنے ہوئے ہیں۔ یکایک بچہ کے والد اپنے بچہ کو لے کر اس کمرے میں جاتے ہیں اور اندر سے دروازہ بند کرلیتے ہیں پھر ایک فرنی کا پیالہ اٹھا کر اپنے بیٹے کی طرف بڑھاتے ہیں۔ امتحاناً کہتے ہیں۔ ''لو! اسے کھالو'' بچہ حیران ہو کر عرض کرتا ہے ''ابا حضور! میرا تو روزہ ہے کیسے کھاؤں؟ اس پر والد صاحب نے کہا ''بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے میں نے دروازہ بند کردیا ہے اب کوئی دیکھنے والا نہیں۔ لو جلدی سے کھالو'' یہ سن کر بچے نے ادب سے عرض کی۔ ابا حضور! جس کے حکم پر روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ بچہ کا یہ جواب سن کر والد نے فرطِ مسرت میں اپنے ہونہار فرزند کو گلے لگالیا۔ سینے سے چمٹا لیا اور پیار کرتے ہوئے باہر لے آئے۔ اور پھر اوقات کار کے مطابق بچے اور باپ نے روزہ افطار کیا۔

تقویٰ کی انتہا اورلاجواب جواب

آپ کی ۴۔۵ برس کی عمر تھی آپ اپنے گھر سے باہر کسی کام سے نکلے۔ایک بڑا گرتا زیب تن کیا۔ یہ بچہ خراماں خراماں جارہا ہے کہ سامنے سے چند زنانِ بازاری (طوائفوں) کا گذر ہوا آپ نے جب ان کو دیکھا تو کُرتے کے دامن سے اپنا منہ چھپالیا۔آپ کی یہ حرکت دیکھ کران میں سے ایک نے طنزاً کہا''میاں ستر کی تو خبرلو''۔

آپ نے جب سنا تو منہ چھپائے ہی برجستہ جواب دیا''نظر بہکتی ہے تو دل بہکتا ہے''بچہ کا جواب سن کرزنِ بازاری شرمندہ ولاجواب ہوگئی اوراپنا رستہ لیا۔سننے والے آپ کی اس ذہانت اورحاضر جوابی سے دنگ رہ گئے۔

حق برزبان

شہرعلوم بریلی شریف میں ایک مدرسہ میں دینی تعلیم دی جارہی ہے۔بچے آتے ہیں اوراپنا سبق سنا کر جو استاد نیا سبق پڑھاتے ہیں پڑھتے جاتے ہیں۔انہی بچوں میں ایک بچہ جب سبق لینے آیا تو استاد کسی آیۂ کریمہ میں جو لفظ پڑھاتے ہیں وہ لفظ بچے کی زبان پرنہیں چڑھتا۔اتفاقاً اتنے میں اس بچے کے جدامجد اپنے وقت کے عالم جلیل تشریف لائے۔انہوں نے جب یہ تکرار دیکھی اوردوسرا قرآن پاک منگوا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کاتب نے غلطی سے زیر کی جگہ زبر لکھ دیا۔انہوں نے پہلے تو تصحیح کی۔پھر آپ کو مخاطب ہوکر فرمایا کہ استاد کی بات احتراماً تسلیم کرلینی چاہئے؟ آپ نے جواب عرض کیا کہ میں تو حکم کی تعمیل چاہتا تھا۔مگر ادھر زبان ہی نہ لوٹتی تھی۔آپ کی یہ بصیرت دیکھ کرانہوں نے اس کے حق میں دعا کی۔آپ سے اکثر اسی قسم کی پُرمغز باتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں۔اس لئے ایک مرتبہ آپ کے استاد نے حیرانی کے عالم میں کہا کہ''تم جن ہو یا انسان۔''

جوابِ سلام

ایک بار اُستاد موصوف بچوں کو پڑھانے میں مشغول تھے کہ ایک بچہ آیا اورسلام کر کے بیٹھ گیا استاد نے جواباً کہا ۔''جیتے رہو''اتنے میں اسی بچہ نے برجستہ کہا۔''یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔آپ بھی جواباً''سلامتی بھیجئے''مولوی صاحب نے فوراً کہا''وعلیکم السلام''اوربچہ کی بروقت تنبیہ سے بہت خوش ہوئے اوردعائیں دینے لگے۔

تقریر وقرأت

آپ نے چارسال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم فرمایا اورچھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں عیدمیلاد النبی (ﷺ) کے موضوع پرایک بڑے مجمع میں تقریر فرمائی۔

هداية النحو

آپ نے صرف آٹھ سال کی عمر میں ''فنِ نحو'' کی مشہور درسی کتاب ''ہدایۃ النحو'' پڑھی۔اس کی خداداد ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اس نے اس ننھی سی عمر میں ہی ''ہدایۃ النحو'' کی عربی میں شرح بھی لکھ دی۔حافظہ اور عقل وفہم کا یہ حال تھا کہ کتاب کا صرف چوتھائی حصہ استاد سے پڑھتے باقی خود سنا دیتے۔

تیرہ برس

کی مختصر سی عمر ۱۲۸۲ھ میں اس نوعمر بچہ نے والد ماجد سے درسیات کی تکمیل کی اور ۱۳ سال ۱۰ ماہ ۵ دن کی عمر میں صرف ونحو،ادب،حدیث،تفسیر،کلام،فقہ،اصول،معانی وبیان،تاریخ،جغرافیہ،ریاضی،منطق،فلسفہ،ہیئت وغیرہ جمیع علوم دینیہ،عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو سند فراغت حاصل کی اور دستار فضیلت زیب سر فرمائی اور اسی روز سب سے پہلا فتویٰ لکھا۔

سبحان اللہ

کیا پہچان لیا ہے آپ نے اس بچہ کو جس نے ننھی سی عمر میں اپنے پہلے ہی روزہ پر کمال تقویٰ واستقامت کا مظاہرہ کیا ،جس نے بازاری عورت کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیا کہ نظر بہکتی ہے تو دل بہکتا ہے۔دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے،جس کی زبان پر استاد کی غلطی رواں نہ ہوئی۔جس نے اُستاد صاحب کو سلام کا صحیح جواب دینے کی توجہ دلائی۔جس نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا،جس نے چھ سال کی عمر میں تقریر فرمائی۔جس نے آٹھ سال کی عمر میں نہ صرف ''ہدایۃ النحو'' کو پڑھ لیا بلکہ اس کی عربی شرح بھی لکھ ڈالی۔

جس نے تیرہ سال کی نوعمری وحالتِ نابالغی میں تمام درسیات کی تکمیل کی۔اور اسی روز فتویٰ نویسی کا آغاز فرما دیا۔

سبحٰن اللہ وبحمدہ سبحٰن اللہ العظیم.

اگر آپ نے اس نہایت ہونہار اور ہر لحاظ سے لائق وفائق بچہ کو پہچان لیا ہے تو فبہا۔ورنہ اس کا نام سن کر تو دنیا بھر میں شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ایسا ہو جو اسے پہچانتا نہ ہو۔بہرحال اگر آپ اب تک نہیں پہچان سکے تو سن لیجئے۔اس کا نام ہے۔''عبد المصطفےٰ محمد احمد رضا خاں بریلوی'' جسے قدرت نے تحفظ ناموس رسالت وتجدید دین اور مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے سرزمین بریلی میں پیدا فرمایا اور شروع سے ہی بچپن میں اسے بڑی تیزی کے ساتھ جلدی جلدی کامیابی کے تمام مراحل طے کرا دیئے اور منصب امامت وقیادت پر فائز کر دیا۔اس بچہ کو قدرت نے عالم اسلام

اور خاص کر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے بریلی شریف میں پیدا فرمایا۔ یہ وہی تھا جو آگے چل کر دنیائے اسلام کی ایک عظیم عبقری شخصیت بن کر ابھرا جس کو علمائے عرب وعجم نے ''مجدد دین وملت'' کہا وہ امام احمد رضا جنہوں نے سب سے پہلے اُس وقت ''دو قومی نظریہ'' کا پرچار کیا۔ جب قائداعظم اور علامہ اقبال بھی متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ وہ امام احمد رضا۔ ایسے عالم کہ وہ کون سا علم ہے جوان کو نہ آتا ہو اور وہ فن ہی کیا ہے جس سے وہ واقف نہ ہوں۔ وہ امام احمد رضا۔ ایسے مفتی کہ ان کے

''فتاویٰ رضویہ شریف'' کی چند جلدیں مطالعہ کرنے کے بعد شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ''میں نے دور آخر میں ان (مولانا احمد رضا خاں) جیسا فقیہہ نہیں دیکھا۔ مولانا جو رائے ایک بار قائم کر لیتے ہیں ۔ اُسے دوبارہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اپنا موقف ہمیشہ خاصی سوچ و بچار کے بعد اختیار کرتے ہیں ۔ (سرِ عشق رسول (ﷺ) کی وجہ سے) ان کی طبیعت میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امام ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) ہوتے۔ وہ امام احمد رضا۔ جنہیں دنیا آج اعلیحضرت امام اہلسنت فاضلِ بریلوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

(رحمتہ اللہ علیہ)

ولادت

آپ نے ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بوقت ظہر اس دنیائے فانی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ والدِ ماجد مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ نے آپ کا نام ''محمد'' تجویز فرمایا اور جدامجد مولانا رضا علی خان علیہ الرحمۃ نے ''احمد رضا'' اور تاریخی نام ''المختار'' رکھا گیا جس سے آپ کا سنِ ولادت ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ حضور رحمت عالم (ﷺ) کی سچی غلامی پر فخر کرتے ہوئے آپ اپنے نام سے پہلے ''عبدالمصطفٰے'' کا اضافہ کر کے یوں لکھا کرتے تھے۔ ''عبدالمصطفٰے احمد رضا خاں'' آپ کی پیدائش کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ مسنونہ ہوا۔ اسی دن آپ کے جدامجد مولانا رضا علی خان علیہ الرحمۃ نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر تھی کہ یہ فرزندار جمند فاضل و عارف ہوگا۔

تبحر علمی

آپ کو علوم درسیہ کے علاوہ علوم جدیدہ وقدیمہ پر مکمل عبور حاصل تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی حاصل کئے بغیر آپ نے اپنی خداداد صلاحیت وذہانت سے خود ہی کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم وفنون جن پر امام احمد رضا کو مکمل عبور حاصل تھا۔ جدید تحقیق کے مطابق کم وبیش ستر (۷۰) ہیں اور ان میں کئی فن

تو ایسے ہیں کہ دورِ جدید کے بڑے بڑے محققین اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں۔

حفظِ قرآن

آپ نے صرف ایک ماہ میں پورا قرآن مجید حفظ فرمایا۔ ہوا یوں کہ بعض حضرات آپ کے نام سے پہلے لفظ "حافظ" بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ آپ کو اس کا بڑا احساس ہوا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں "حافظ" نہیں مگر لوگ مجھے "حافظ" لکھ دیتے ہیں۔ لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ وہ غلط ثابت ہو۔ رمضان شریف کا مہینہ آیا تو روزانہ ایک سپارہ حفظ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس طرح کہ روزانہ دن میں ایک سپارہ کا دور فرماتے اور رات کو تراویح میں سنا دیتے۔ اس طرح آپ آخری رمضان المبارک کو تیسویں سپارے کا دور فرما رہے تھے۔ آپ نے صرف ایک مہینہ میں پورا قرآن مجید حفظ فرما کر سارے حفاظ کا ریکارڈ توڑ دیا۔ یہ خد

اکا خاص انعام تھا اور آپ کے حافظہ کی کرامت۔

تصانیف

آپ نے مختلف علوم و فنون پر تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف فرمائیں اور علوم و معارف کے وہ دریائے بہائے کہ جن سے تشنگانِ علم رہتی دنیا تک سیراب ہوتے رہیں گے آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔ اور تحدیث نعمت کے طور پر خود فرمایا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم!
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں

حاضریٔ حرمین

آپ پہلی بار ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد مولانا مفتی نقی علی خان علیہ الرحمۃ کی معیت میں زیارتِ حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سفر مبارک میں جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو ایک نظم تحریر فرمائی جو واردات و کیفیات قلبیہ کی آئینہ دار ہے۔ جس کے حرف حرف سے بوئے محبت پھوٹ پھوٹ برستی نظر آتی ہے اور اس کا مطلع مشہور ہے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

دوسری بار حاضری ۱۳۲۳ھ میں نصیب ہوئی۔ والحمدللہ علیٰ ذلک۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ اس طرح ہزاروں بچے تاریخ کے اوراق پلٹنے سے مل سکتے ہیں جو ماں باپ کی تربیت اور ان کی ازلی نیک بختی سے بعد کو وقت کے غوث، قطب، ابدال اور مجدد و محقق بنے۔ آج بھی ایسا ناممکن نہیں بلکہ عین حقیقت ہے کہ بچپن سے نیک تربیت کا اہتمام کیا جائے تو وہ نیک تربیت ضرور رنگ لائے گی۔

نیک بیبیاں

موضوع تشنہ لب رہے گا۔ اگر اس کے ساتھ ان خواتین کا ذکر کتاب میں نہ ہو کہ جن کی جدوجہد اور محنت و مشقت گلستان اسلام مہکا اور چہکا۔ وہ چند نمونے ہیں۔

حضرت اُمِّ ابان رضی اللہ عنہا

وہ تھی کتنی خوبصورت اسے جو ایک نظر دیکھ لیتا دیوانہ ہو جاتا۔ قیامت خیز حسن خدا عزوجل نے اسے بخشا تھا۔ اس کے گال شفق کی سرخی چرا کر لے آئے تھے اور رنگ تو میدہ و گلاب سے گندھا معلوم ہوتا تھا۔ پورے گاؤں میں اس جیسا اور کوئی نہ تھا۔ باپ معمولی سے زمیندار تھے مگر ایمان کی دولت سے ایسے مالامال تھے کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔

چھوٹا سا گاؤں تھا وہ ہرنی کی طرح کلیلیں کرتی پھرتی تھی کبھی گاؤں کے اس سرے پر موجود ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد وہ گاؤں کے دوسرے سرے پر موجود ہوتی۔ حسن شوخی کے ساتھ ساتھ فطرت میں نیکی بھی تھی۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے اسے پسند کرتے تھے اور جو گبھرو جوان تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اس دُرِّ بے بہا کو لے کر پلکوں میں چھپ کر صحرا میں نکل جائیں۔

دور دور تک اس کے حُسن کا شہرہ پھیل چکا تھا۔ لوگ آتے تو تعریف سے بڑھ کر پاتے۔ بڑے بڑے مالدار آ کر اس چوکھٹ سے حسن کا خراج مانگتے۔ اس کی سہیلیاں ہر نیا رشتہ آنے پر اسے چھیڑتیں اور وہ شرما کر بیر بہوٹی بن جاتی۔ عارض دہک جاتے۔ آنکھوں میں انجانے پیار کی چمک پیدا ہوتی۔ دل میں گدگدی ہوتی اس کا دل بھی اور لڑکیوں کی طرح چاہتا کہ مالدار آدمی سے اس کی شادی ہو وہ بھی خوشیوں کے صدا بہار جھولے میں زندگی گزارے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں میں ایک خوبصورت کڑیل جوان کی تصویر آ جاتی جو اس کا ہونے والا ساتھی تھا جس کے توانا بازو اس کا سہارا تھا جس کے سینے پر سر رکھ کر وہ اپنے سارے غم دور کرے۔

پتہ نہیں وہ تنہائی میں کیا کیا سوچا کرتی تھی۔ ایک الھڑ نادان لڑکی سنہرے سنہرے خواب جن میں وہ اپنے آئندہ

ہونے والے ہمسفر کو سنگھاسن پر بٹھا کر خود تصور میں ڈوب جاتی۔ سہلیاں اس کی بے خودی دیکھ کر اسے گدگدا دیتیں اور وہ شرما کر رہ جاتی۔

اس کے والد جہاں دیدہ تھے وہ دولت کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ہر رشتے کو نگاہوں نگاہوں میں پرکھتے اور پھر تسلی نہ پا کر دوسرے رشتے کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ان کے دل میں اسلام کی شمع روشن تھی اور وہ اپنے داماد کو بھی اسلام کا متوالا دیکھنا پسند کرتے تھے۔ ایک دن انہیں ایک نیک اور دیانتدار لڑکے کا پیغام ملا جو انھوں نے اسی وقت قبول کرلیا۔

رات کے دھندلکے میں سہیلیاں اکٹھی ہوئی تھیں۔ شادی کے گیت گائے اور اسے دلہن بنایا۔ دلہن بن کر اس پر قیامت کا حسن ٹوٹ پڑا۔ شوہر بھی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ ایسی خوبصورت لڑکی اس کی ساتھی بنے گی اس نے خواب میں بھی یہ سوچا نہ تھا۔

اُمِ ابان نے جب اپنے شوہر اور نئے گھر کو دیکھا تو وہ مغموم ہو گئیں۔ ان کے خواب ٹوٹ گئے عیش کا خیال ختم ہو گیا تھا۔ مگر وہ فطرتاً نیک تھیں۔ فوراً سنبھلیں ان کے ذہن میں کلام پاک کی وہ آیتیں گھوم گئیں۔ جن میں دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی نعمتوں کا ذکر ہے انہوں نے جلد جلد وہ آیتیں پڑھیں اور دل میں طے کرلیا اب وہ دنیاوی مال کو ترجیح نہیں دیں گی۔ بلکہ آخرت کے سفر کے لئے نیک کام کریں گی۔

یہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا زمانہ تھا۔ شام کے میدانوں میں کفر و اسلام کی جنگ جاری تھی۔ ابھی ان کی شادی کو چند روز ہی گزرے تھے ارمانوں سے لگائی مہندی بھی پھیکی نہ پڑی تھی کہ خلیفہ اول کا قاصد گاؤں میں آیا اور جہاد کے لئے مسلمانوں کو آواز دی۔

اُمِ ابان گھر میں تھیں۔ قاصد کی آواز سن کر باہر آئیں۔ اعلان سنا۔ جوشِ جہاد سے سینہ معمور ہو گیا۔ اتنے میں شوہر آ گئے ان سے خوش خوش گویا ہوئیں۔ آپکا کیا ارادہ ہے؟

شوہر بولے تمھاری وجہ سے چند روز کی مہلت لے لی ہے حالانکہ میرا دل چاہ رہا ہے پر لگ جائیں اور اڑ کر میدان جہاد میں چلا جاؤں۔

اُمِ ابان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولیں آپ کو یہ اچھا لگے گا کہ اسلام اور کفر کی لڑائی ہو اور ہم دونوں گھر میں بیٹھ کر رنگ رلیاں منائیں تو مجھے اجازت دیں میں خود میدان جنگ میں جاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ اپنے ہتھیار درست کرنے لگیں۔

شوہر یہ دیکھ کر تڑپ گئے۔ بولے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے جہاد سے منہ نہیں موڑا تھا بلکہ صرف تمھارا دھیان کر کے چند روز مانگے تھے پر اب تو ایک لحہ نہیں رک سکتا۔

اُمِ ابان خوش ہو گئیں۔ چند روز کے بعد دونوں میاں بیوی میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ شوہر جہاد میں شریک ہو گئے اور ام ابان زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگیں۔ اور میدان میں پانی پلانے لگیں۔

دو دن اسی طرح گزرے، تیسرے دن ان کے شوہر شہید ہو گئے۔ اُمِ ابان کو جب شوہر کی شہادت کی خبر ملی تو وہ ذرا بھی نہ روئیں۔ دوڑتی ہوئی شوہر کے پاس گئیں۔ خاک میں لتھڑے ہوئے خون آلود جسم کو دیکھا اور ان کے جسم پر سے ہتھیار اتار لئے اُمِ ابان جوش جہاد سے معمور ہو کر لڑنا شروع کر چکی تھیں۔ آپ نے سر پر سے چادر اتار پھینکی اور تیر چلانے شروع کئے۔ کفار نے بھاری جمعیت کے ساتھ حملہ کیا تھا آپ کا ایک تیر رومی فوج کے کمانڈر کے لگا۔ وہ تیورا کے نیچے گر پڑا اور ڈھیر ہو گیا۔

کفار چاروں طرف سے اُمِ ابان پر ٹوٹ پڑے۔ مگر آپ تو ایک نئے جوش سے ہمکنار ہو کر قوتِ ایمانی سے ایک جگہ جم کر کھڑی ہو گئیں تھیں اس جرأت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار بوکھلا کر ہٹے اور ان کو شکست ہوئی۔

مجاهدئه إسلام حضرت خوله رضی الله عنها

اگر اسلام کے مرقع کو غور سے دیکھا جائے تو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بہادری کی بھی تصویر نظر آتی ہے ۔ وقتِ ضرورت عورتوں نے ہر کام میں مردوں کا ساتھ دیا ہے سب سے بڑھ کر جنگ میں شریک رہی ہیں۔ دشمنوں اور کافروں سے لڑی ہیں۔ چنانچہ حضرت (رضی اللہ عنہا) شام اور مصر کی فتوحات میں برابر اپنے بھائی ضرار (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑائی میں شامل رہیں۔ فوج کے سب سرداران کی ہمت اور جرأت کے قائل تھے۔ خصوصاً سپہ سالاران لشکر اسلام حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) اور ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) تو بہت ہی قدر دان تھے۔ گو حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) بالکل نو عمر لڑکی تھیں مگر غیر معمولی ہمت و جرأت غیرت و حمیت اور عقل و ذہانت رکھتی تھیں اور ان ہی خصائل کی وجہ سے سب کو عزیز تھیں۔

جب یرموک کی لڑائی ہو رہی تھی تو حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) اور مسلمان عورتوں کے ساتھ ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ ایک دن بہت سخت معرکہ ہوا، کافر عورتوں کی طرف بڑھے عورتیں جھٹ باہر نکل آئیں اور کافروں سے لڑنے لگیں ان میں کچھ نچ قوم کی عورتیں بھی تھیں جو بھاگنے لگیں۔ حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) کو بہت غصہ آیا وہ جوش کے ساتھ کہنے لگیں کہ تم ہماری جماعت سے نکل جاؤ تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو، تم ہم کو بزدل بناتی ہو، ہمارے نام پر بزدلی کا دھبہ لگاتی ہو

، جاؤ جاؤ تم لوگ بھاگ جاؤ تمھارا ہمارے پاس کچھ کام نہیں ، ان عورتوں نے ہاتھ جوڑے اور قسم کھائی اب ایسا قصور نہ ہوگا مرجائیں گی لیکن اس جگہ سے نہ ٹلیں گی۔

حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) لڑتے لڑتے سخت زخمی ہوگئیں تھیں مگر نہایت جانفشانی اور تندہی سے لڑتی جارہی تھیں ساتھ ہی ساتھ پُر جوش الفاظ سے اپنی ہمراہیوں کا دل بڑھاتی اور ہمت دلاتی جاتی تھیں ۔یکا یک ایک کافر کی تلوار ان پر پڑی اور یہ بہت سخت زخمی ہوگئیں ۔تمام جسم خون سے نہا گیا ۔ایک دوسری مسلمان عورت نے اس کافر کو قتل کرڈالا اور ان کو میدان جنگ سے خیمے میں اٹھا کر لے گئی ۔جب شام کو مسلمان میدان جنگ سے واپس آئے تو حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) نے مشک لے کر سب کو پانی پلایا اور اپنے زخم کی بالکل پروانہ کی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) مع کچھ اور مسلمان عورتوں کے تھوڑی سی فوج کے ساتھ جارہی تھیں اچانک دشمنوں کی فوج نے جوان سے کہیں زیادہ تھے حملہ کردیا ۔مسلمان عورتیں بھی مردوں کے ساتھ بہت جانبازی سے لڑیں مگر کفار چھ گنا تھے ۔فوج کفار کی زیادتی تعداد کے سبب سے شکست ہوئی اور سب گرفتار ہوگئے ۔سب اپنی اس اتفاقیہ کامیابی پر بہت شاداں اور فرحاں ہوئے اور سب عورتوں کو ایک مضبوط اور محفوظ خیمہ میں بند کیا۔

حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) کو اس ناکامی پر بہت رنج ہوا ،ان کی غیرت وحمیت کس طرح برداشت کرسکتی تھی کہ وہ قیدی بن کر رہیں انہوں نے بہت جوش وخروش سے سب مسلمان عورتوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ بہنوں ! کیا تم قیدی بن کر رہو گی؟ کیا تم یہ برداشت کروگی کہ سب لوگوں میں تمہاری بزدلی کا چرچہ ہو ۔کیا تم میں غیرت وحمیت چلی گئی ۔یہ سن کر سب عورتیں جوش میں آگئیں ان میں سے ایک نے کہا کہ اے خولہ (رضی اللہ عنہا) ہم موت سے نہیں ڈرتے ۔بارہا ہماری آزمائش ہوچکی ہے اور ہم اپنی شجاعت دکھا چکے ہیں ۔افسوس ! کہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں تلوار نہیں ہے ورنہ ان کافروں کو دکھادیتے کہ دیکھو ! ہم سے بھی کچھ ہوسکتا ہے کہ نہیں۔

حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ ہتھیار نہیں ہیں کچھ پرواہ نہیں ہے ، کچھ غم نہیں ہے ، ہاتھ تو ہیں اسی قید خانہ سے ہتھیار کا کام لو چلو خیمہ کی میخیں نکال لیں ، چوبیں اکھاڑلیں اور دشمنوں پر حملہ کردیں سب نے ایسا ہی کیا اور چوبیں اور میخیں لے کر باہر نکلیں جس سپاہی پر نظر پڑے سب پروار کیا کوئی زخمی ہوا کوئی مرگیا ، تمام نقشہ بدل گیا ، سردار نے سوال کیا اس سے تمہارا کیا مطلب ہے ، عورتوں نے نہایت دلیری کے ساتھ جواب دیا ، مارنا اور مرنا یہ کہہ کر بڑے زور وشور سے حملہ کیا اور بہت سے کافروں کو جان سے مارڈالا ۔سردار نے خوفزدہ ہوکر اور گھبرا کر سپاہیوں کو حکم دیا سپاہی تلواریں اٹھا کر دوڑے

اور لگے قتل کرنے۔ یہ بہادر عورتیں خالی ہاتھ اور کافر زرہ و ہتھیار سے سجے ہوئے۔ مگر وہ ایسی ہمت و مستعدی سے لڑتی رہیں جیسے خیمے سے نکلتی تھیں۔ وہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹتی تھیں۔ یہ سب اپنی جانوں سے ناامید ہو چکی تھیں کہ یکا یک مسلمان سردار بہت سی فوجیں لے کر آ گئے اور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر حملہ کر دیا پہلے حملہ میں کفار پسپا ہو گئے اور گھبرا کر بھاگ گئے۔ مسلمان سب عورتوں کو لے کر واپس آ گئے۔

اللہ اللہ! کیا جوش و خروش تھا اور کس قدر ہمت والی عورتیں تھیں۔ مردوں کو دکھا دیتی تھیں کہ دیکھو ہم بھی تم سے کم نہیں ہیں۔ دمشق کے محاصرہ میں اور مسلمانوں کے ساتھ حضرت ضرار (رضی اللہ عنہ) بھی قید تھے۔ یوں تو سب بہنیں اپنے بھائی کو چاہتی ہیں اور ان سے محبت رکھتی ہیں مگر حضرت خولہ (رضی اللہ عنہا) اپنے بھائی کو بے حد چاہتی تھیں، ان کی ذرا سی تکلیف ان کی گوارا نہ تھی۔ جنگ میں اگر خود زخمی ہو جاتیں تو کچھ پروا نہیں کرتیں۔ مگر جب ضرار (رضی اللہ عنہ) زخمی ہو جاتے تو بہت بیقرار ہو جاتیں اور رو رو کر دعائیں مانگتیں کہ الٰہی! میرے بھائی کو اسلام کی خدمت کے لئے سلامت رکھ اس کی جان میری جان سے زیادہ قیمتی ہے۔ کیونکہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب ان کی گرفتاری کی خبر سُنی تو از حد بے قرار ہوئیں اور جب تک اپنے بھائی کو چھڑا نہ لائیں انہیں چین نہ آیا۔ جنگ میں دونوں بہن بھائی ساتھ ساتھ لڑتے گھوڑے سے گھوڑا ملائے رکھتے اور کہتے کہ اگر ہم میں سے کوئی قتل ہوا تو حشر میں ملاقات ہوگی، نہ ہراس رہنا، نہ امیدی، نہ گھبراہٹ، نہ پریشانی، نہایت اطمینان سے جنگ میں شریک رہا کرتیں۔ یہ خاتون دنیا میں اپنی بہادری اور ہمت کا افسانہ چھوڑ گئیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل کرے۔ (آمین)

﴿فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ عنہا﴾

آپ کا نام فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اور آپ کے والد کا نام اسد تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں ہاشم بن عبد مناف سے مل جاتا ہے۔ آپ مکہ میں پیدا ہوئیں اور وہیں آخری عمر تک زندگی بسر ہوئی۔ جب آپ سنِ شعور کو پہونچیں تو قبیلہ کے ایک نوجوان معزز سردار ابو طالب بن عبد المطلب سے آپ کا نکاح ہوا۔ شادی کے تھوڑے عرصہ کے بعد آپ کے بطن سے حضرت علی (کرم اللہ وجھہ) پیدا ہوئے۔ آپ پہلی عورت ہیں جن سے ہاشمی لڑکا پیدا ہوا۔ چنانچہ مشہور محدث علامہ حافظ ابن عبد البر (رحمتہ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ

ھی اول ھاشمیہ ولدت الھاشمی

یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں کہ جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئی۔

خدماتِ جلیلہ

آنحضرت (ﷺ) جب حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب کے سایۂ عاطفت میں آئے ہیں تو حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بنت اسد آپ پر نہایت لطف وکرم کرتیں اور آپ کو راحت وآرام پہونچانے کے لئے جو ممکن خدمات آپ سے ہوسکتی تھیں انجام دینے میں دریغ نہیں کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک روز آنحضرت (ﷺ) اپنے کثیر حلقۂ احباب واصحاب (رضی اللہ عنہم) میں بیٹھے گفتگو فرمارہے تھے کہ درمیان میں آپ کا تذکرہ آگیا تو فرمانے لگے کہ

لم یکن احد بعدا بی طالب دربیٰ منہا

ابوطالب کے بعد (حضرت) فاطمہ سے زائد اور کوئی مجھ پر مشفق ومہربان نہ تھا۔

اسلام

کوہ حرا سے جب آفتابِ رسالت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوکر نظرِ شہود پر جلوہ ریز ہوا اس وقت بنو ہاشم کے بہت سے لوگ رفتہ رفتہ اس کے تابش انوار سے منور ہوئے انہیں میں سے آپ بھی تھیں جو برضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ نہ صرف آپ مشرف بہ اسلام ہوئیں بلکہ آپ کی بعض اولاد بھی آپ کے ساتھ اس بے بہا دولت سے مالا مال ہوئی۔

اس کے بعد سے آپ نہایت استقلال واستقامت سے اسلام پر جمی رہیں آپ کو بڑی بڑی تکالیف اور بڑے ہی خطرناک مصائب برداشت کرنا پڑے، قوم کی گالیاں سنیں، اعزّ اواقرباء نے قطع تعلق کیا اور ہر قسم کے جور وستم اور مظالم کے پہاڑ آپ کے سر پر توڑے گئے مگر آپ کے راسخ قدموں کو ذرہ برابر لغزش نہیں ہوئی بلکہ راسخ سے راسخ تر ہوتی گئیں۔

ہجرت

قوم کی تکالیف اور ایذا اٹھاتے اٹھاتے جب مسلمان بالکل تنگ اور عاجز آگئے تو جناب باری عزوجل کے یہاں سے ہجرت کا حکم ملا اگرچہ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد بھی مسلمانوں کو اچھی خاصی تعداد مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ کی طرف راہی ہوچکی تھی مگر چند خاص وجوہ اسباب اور موانع کی بنا پر آپ ابھی تک مکہ ہی میں قیام پذیر تھیں مگر جب وہ موانع نہ رہے تو آپ نے بھی ہجرت فرمائی۔ مدینہ پہونچکر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا حضرت فاطمہ بنت رسول اکرم (ﷺ) سے عقد ہوگیا۔ آپ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو بالکل اپنی اولاد کی طرح مانا کرتی تھیں۔ برابر ان کے کاموں میں شریک رہا

کرتیں اورحتی الامکان ان کے آرام کالحاظ فرمایا کرتیں۔

وفات

۔اسی اثناء میں آپ بیمار پڑیں اور چندروز بیماررہ کراس دارفانی کوالوداع کہتی ہوئی عالم جاودانی کی طرف سدھار گئیں۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

کفن کے لئے آنحضرت (ﷺ) نے اپنی قمیص مبارک عنایت فرمائی اور قبر تیار ہونے کے بعد آپ اس میں لیٹ گئے۔لوگوں نے تعجب سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوطالب کے بعد مجھ پر ان سے زیادہ اورکوئی مہربان نہ تھا۔انہوں نے میری بہت خدمت کی تھی اس لئے میں نے انہیں اپنی قمیص پہنادی کہ جنتی لباس پہننے کو ملے اور قبر میں لیٹ گیا تاکہ ہر طرح کے عذاب سے محفوظ رہیں۔

اولاد

آپ کی متعدداولادیں پیداہوئیں مگران میں حضرت جعفر، حضرت علی، حضرت عقیل اورحضرت ام ہانی (رضی اللہ عنہم) خاص طور پرقابل ذکر ہیں کہ ان کی وجہ سے اسلام کو بہت مدد ملی۔

فضائل ومناقب

آپ کے فضائل بیشمار ہیں، درمنثور میں ہے کہ:

فاطمه الزهرا رضی الله عنها فضائل مشهورة وماثر مشكورة مذكورة فی كتب التاريخ.

یہی فاطمہ ہیں کہ جن کے فضائل ومناقب کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

آپ کے انہیں فضائل کی بناء پر آنحضرت (ﷺ) آپ کو دیکھنے تشریف لے جایا کرتے تھے اور بسااوقات آرام بھی آپ ہی کے یہاں فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید

آفتاب نبوت اپنی پوری تابانی کے ساتھ سارے عالم کوجگمگا کر غروب ہوچکا ہے۔ اس آفتاب سے سب سے زیادہ روشنی حاصل کرنے والے سیدنا حضرت ابوبکرصدیق (رضی اللہ عنہ) کا عہد خلافت ہے۔شوریدہ پشتوں نے آفتاب نبوت کے غروب ہوتے ہی ہر طرف سے سربلند کرنا شروع کردیا ہے کوئی زکوٰۃ کوروکنے کی انتہائی کوشش کررہا ہے کسی نے ارتداد کا فتنہ کھڑا کردیا ہے اور مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت نے اسلام کے خلاف اپنا

باقاعدہ محاذ جنگ قائم کررکھا ہے۔غرض بڑا بُرا وقت ہے اورانتہائی آزمائش اورامتحان کا زمانہ ہے۔

ادھر اسلام کے سچے فدائی اور ایمان کے حقیقی شیدائی کفر اور اس کو پوری طاقتوں کا اپنی انتہائی قوتوں سے مقابلہ کرنے میں مصروف ہیں۔مرد تو مرد بچے اور عورتیں بھی دن رات یہی دعائیں کرتے ہیں کہ ''خداوندا! اپنے پیارے اسلام کی کوئی حقیر خدمت ہم نااہلوں سے بھی لے اور ہم کو بھی موقع عنایت فرما کہ ہم بھی تیرے پیارے دین پر پروانہ وار قربان ہوکر ابدی اور دائمی زندگی حاصل کریں، کیونکہ تو نے فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ٥

(پارہ ۲، سورۃ البقرۃ، ایت ۱۵۴)

''اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔''

غرض یہ کہ فدائیت اور قربانی کا عجیب عالم ہے، بچے مسجد نبوی (ﷺ) میں جا جا کر تنہائی میں اپنے بھولے بھالے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں۔اس حالت میں کبھی اپنی پیشانی رگڑتے ہیں اور کبھی جھکتے ہیں اور کبھی ننھے ننھے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ہیں اور اپنے مالک اور خالق عزوجل سے خوب خوب ضدیں کرتے ہیں۔قدرت ان کے جوش وخروش دیکھ کر صرف مسکرا دیتی ہے۔

عورتیں ہیں کہ وہ اسلام کی محبت میں گھلی جارہی ہیں بس ہر ایک کی یہی خواہش ہے کہ بارگاہِ خلافت کی طرف سے حکمِ جہاد ہو اور یہ فوراً چل کھڑی ہوں۔ان میں سب سے زیادہ جن کو جہاد کا شوق تھا اور جو ہر وقت اس کے لئے بے چین اور بے قرار نظر آتی تھیں حضرت اسماء بنت یزید (رضی اللہ عنہا) تھیں۔آپ یوں تو ہر قسم کے اخلاق اور فضائل سے آراستہ تھیں اور بہترین صفات کی مالکہ تھیں لیکن سب سے زیادہ چیز جو آپ میں نمایاں تھی وہ آپ کی شجاعت و بہادری تھی ان کی باطنی خوبیوں کے ساتھ قدرت نے ظاہری خوبیوں سے بھی خوب خوب نوازا تھا۔قد لانبا، جسم سڈول اس پر لمبے لمبے سیاہ بال پڑے ہوئے، پھر چہرے کی خوبصورتی اور نورانیت اور قدرتی رعب وجلال، ان سب چیزوں نے فطرتاً آپ کو اس قدر بارعب اور باعظمت بنا دیا تھا کہ عورتیں تو عورتیں مرد اور بڑے بڑے بہادر آپ کے نام سے لرزتے تھے۔

رات کا وقت تھا، آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے۔سارا سنسار نیند کی گود میں مستِ راحت تھا اور فضا میں عجیب سکوت اور خاموشی چھائی ہوئی تھی اسلام کی یہ شیرنی اٹھتی ہے، سنتِ نبوی (ﷺ) کی پیروی میں سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کیا

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ؕ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۹۴۔۱۹۰)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ اے رب ہمارے بے شک جسے تو دوزخ میں لے جائے اُسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے رب ہمارے ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں محو فرما دے اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر۔ اے رب ہمارے اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی معرفت اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بے شک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا۔"

تک آیات نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھ کر تلاوت کرتی ہے، وضو کرتی ہے اور اس خاموش اور پُر فضا عالم میں کسی کی یاد میں مست اور کسی کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ اس وقت ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے اور کسی کی آواز نہیں آتی۔ ہاں کسی کسی وقت سسکیوں کے ساتھ ایک چٹائی پر سے یہ آواز ضرور آ جاتی ہے۔

اے خالق اے مالک اور اے سارے جہان کے پالنہار! اسلام پر بڑا ہی سخت دور آ گیا ہے اس موقع پر اگر تو نے اپنے پیارے دین اور اپنے پیارے محبوب مسلمانوں کو مدد نہ کی تو پھر تیرا نام لینے والا قیامت تک کوئی نہ ہوگا۔ میرے مولا! کیا اپنی اس حقیر ترین اور گنہگار بندی سے بھی کوئی خدمت لی جائے گی؟ جب کہ سارے نوجوان اس قت تیرے نام پر فدا اور قربان

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست برجریدئہ عالم دوام ما

کا عملی ثبوت اور روحانی درس دے رہیں ہیں ۔آقا میرے پیارے آقا! مجھے بھی کوئی ایسا موقع دے کہ میں تیرے پیارے اسلام کی حفاظت میں اپنے جسم کے ریزے ریزے کراسکوں یا پھر ایسی فتح پاؤں کہ جو ایک زمانہ کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہو۔......مولا میرے مولا......ایک موقع ضرور عنایت فرما......ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر اُبلنے لگتا ہے اور ہچکیاں بندھ جاتی ہیں......کچھ دنوں کے بعد یہ دعا لفظ بلفظ مقبول ہوتی ہے۔

شام کا وقت ہے، سورج اپنی سُنہری کرنوں سے کائنات کے ذرہ ذرہ کو چمکا رہا ہے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ قدرت نے ساری چیزوں کو سونے کی قبائیں اُڑھادی ہیں ۔ہوا ذرا تیزی کے ساتھ چل رہی ہے اسی میں بہت بلندی پر ایک سبز رنگ کا پھریرا اڑتا ہوا نظر آرہا ہے جس پر ہلالی شکل کا ایک دائرہ بنا ہوا ہے اور اس کے بیچ میں نہایت ہی جلی حروف میں

لَآاِلٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہٗ واشھداَنَّ محمداً عبدہ ورسولہ

لکھا ہوا ہے۔اسی جھنڈے کے پیچھے ایک عظیم الشان لشکر ایک ترتیب کے ساتھ ایک خاص ولولہ اور ایک خاص جذبہ کے تحت نہایت تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا چلا آرہا ہے۔

پہاڑیوں کے نشیب وفراز میں اس متوالے لشکر کا چڑھنا اور اترنا کچھ عجب بہار دکھا رہا ہے اس لشکر کے وسط میں اونٹوں پر بڑے بڑے سیاہ غلافوں سے ملفوف کچھ محمل بھی نظر آرہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر کچھ عورتیں بھی ہیں اور وہ بھی لڑنے جارہی ہیں۔

یرموک کا میدان خونخواری کا خوفناک منظر دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ایک طرف اسلامیوں کی فوجیں اپنے خیمے لگائے پڑی ہیں اور دوسری طرف رومی جواُن سے تعداد میں کہیں بڑھ کر اور آلات واسلحہ میں کہیں زیادہ آراستہ وپیراستہ نہایت شان وشوکت کے ساتھ خیمہ زن ہیں۔

ظہر کی نماز کے بعد اس طرف سے اللہ اکبر کی آوازیں اور فریق مخالف کی جانب سے ناقوس اور گھنٹوں کی صدائیں آنا شروع ہوگئیں جس کے صاف معنے یہ تھے کہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ادھر قاریوں کی خوش الحان آوازیں آیات جہاد کی تلاوت میں مصروف اور اُدھر پادری اور مذہبی رہنما مذہب کی قسم دُھرا دُھرا کر نوجوانوں کو اُبھار رہے تھے۔اِس طرح صرف تیس ہزار نہتے مسلمان محض اپنے مالک کے بھروسے پر حکم جنگ کا انتظار کر رہے تھے اور اُدھر ایک لاکھ سے بھی زائد جنگجو سپاہی آلات حرب میں ڈوبے ہوئے نوجوان اپنی کثرت اور طاقت پر اکڑ رہے تھے غرض کہ آج چیونٹی اور ہاتھی

کا مقابلہ تھا مگر چیونٹی بھی تھی تو کس کی؟ اور کس مقصد کے لئے آئی تھی؟

غرض کہ جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا جانبین میں ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوتی جاتی تھی ۔ خیر اللہ اللہ کر کے انتظار ختم ہوا اور لڑائی کا حکم تکبیر کے فلک شگاف نعروں میں ملا جس سے دشت وجبل دہل گئے لیکن نتیجہ ظاہر تھا پہلے ہی مسلمان پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور رومی مسلمان عورتوں تک پہنچ گئے ۔ یہ دیکھ کر اسلام کی شیرنی کو تابِ ضبط نہ رہی اور غصہ کے مارے سراپا آگ نظر آنے لگی ۔ اسی وقت اس نے اپنی بہنوں مخاطب کر کے ایک مختصر سی تقریر کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں: ''بہنو! اللہ نے ہمیں اسلام دیا ہم پھرے نہیں ہم کو قرآن دیا ہم نے اس سے منہ نہیں موڑا ۔ اب وقت آ گیا ہے اس پر عمل کا ۔ کیا ہم اس سے روگرداں ہو جائیں گے؟ آوازیں آئیں نہیں ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا ہے۔''

یہ کہہ کر اسماء (رضی اللہ عنہا) خیمہ کی میخ اُکھاڑ کر مسلح اور فوجی افسروں پر جھپٹ پڑتی ہیں اور شجاعت اور بہادری کی وہ مثالیں پیش کرتی ہیں کہ جس سے دنیا آج بھی حیران اور ششدر ہے یعنی ایک آن کی آن میں اس اسلام کی شیرنی نے نو بہادر رومیوں کو خاک وخون میں تڑپا دیا ۔ اسلام کی باعزت فوج نے جب یہ منظر دیکھا تو عرقِ ندامت میں ڈوب گئی اور فوراً ہی اس نے قسم کھا کر ایسا حملہ کیا کہ رومی بُری طرح شکست یاب ہوئے۔

اسلامی فوج میں آج شادیانے بج رہے ہیں اور ہر شخص خوشی اور مسرت کا مجسمہ نظر آ رہا ہے لیکن سب سے زیادہ جس کو خوشی ہے وہ کوئی جوانمرد مجاہد نہیں بلکہ نحیف اور نازک مجاہدہ ہے جس کا نام اسماء بنت یزید (رضی اللہ عنہا) ہے کیونکہ اس نے آج وہ کام کیا ہے جس پر فرش سے لے کر عرش تک کی مخلوق مرحبا اور صلِ علیٰ کے ترانے گا رہی ہے اور اسی خوشی میں ساری کائنات اپنے خالق عزوجل کی حمد وثنا میں مصروف اور اس کے سجدۂ شکر میں مشغول ہے!!

کاش پھر کوئی شیرنی پیدا ہوتی جو باطل کا مقابلہ کر کے حق کو فتح یاب کرتی۔

﴿حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا﴾

اللہ کے رسول ہمارے آقا ومولا سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اس دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اپنی اُمت کو مخاطب فرما کر فرمایا کہ اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے ۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن) اور اپنے اہلِ بیت'' دوسری روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ میری سنت۔''

(اہل بیت کے معنی ہیں اسلام کے سچے شیدائی)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ میں جا رہا ہوں مگر تمہاری ہدایت کا بہت بڑا سامان چھوڑ رہا ہوں اس میں سب سے

بڑھ کر قرآن حکیم ہے اور پھر میری سنّت اور اس کے بعد میری جسمانی و روحانی آل و اولاد یعنی علماءِ حق اور اہلِ بیت رسول اللہ (ﷺ) ہیں کہ ان کو دیکھ کر اسلامی تعلیم سیکھنا اور عمل کرنا۔

اس کتاب میں ہم چاہتے ہیں کہ اول رسول (ﷺ) میں سے ایک اسلامی شجاعت اسلامی تہذیب اور اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی باعزّت واحترام خاتون کی زندگی کا کچھ تذکرہ کریں جس سے ہمارا ایمان تازہ ہو اور اللہ عزوجل ہم کو بھی ان کی پیروی بخشے تاکہ فتنوں بھری دنیا میں اس مصیبت بھرے عالم میں بھی ایک گونہ آرام حاصل کرسکیں۔ میری مراد ان سے حضرت زینب بنت علی (کرم اللہ وجھہ) یعنی پیاری بیٹی خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ آپ حضرات حسنین (رضی اللہ عنہما) کی حقیقی بہن ہیں۔ آپ کی شادی آپ کے چچازاد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب کے ساتھ ہوئی اور ان سے آپ کے چار صاحبزادے علی، عون، (اکبر) عباس۔ محمد اور ایک صاحبزادی ام کلثوم ہوئیں۔

آپ بھی اپنے بھائی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ کربلا تشریف لے گئی تھیں۔

ابن انباری کا بیان ہے کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) شہید کئے گئے تو آپ نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکال کر باآواز بلند کچھ اشعار پڑھے جن کا حاصل یہ تھا۔

''اگر قیامت کے دن آنحضرت (ﷺ) تم سے یہ سوال کر بیٹھیں کہ کیا تم کو میری اولاد کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہئے تھا کہ ان کے ساتھ قتل و غارت کا معاملہ کر کے خاک وخون میں نہلا دیا جائے۔ کیا میری خیر خواہی اور ہدایت کا یہی معاوضہ ہے جو تم نے میری اولاد کو اذیت دے کر پورا کیا۔ تو بتاؤ اس دن تمہارے پاس ان کا کیا جواب ہوگا۔''

کتاب نورالابصار میں حذیمہ اسدی سے منقول ہے کہ میں ۶۱ھ میں کوفہ گیا تو مقام دربہ میں امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) سے جب کہ وہ کربلا سے ابن زیاد کے پاس کوفہ جارہے تھے ملاقات ہوئی۔ کوفہ کی عورتوں کا یہ حال تھا کہ گریبان چاک کئے ہوئے نوحہ وشیون کررہی تھیں۔ امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) ان سے فرماتے تھے کہ اے اہل کوفہ! آج تم ہم پر ماتم کررہے ہو لیکن یہ تو بتلاؤ کہ ہم کو یہاں بلا کر اس بلا میں مبتلا کس نے کیا اور حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے متعلق فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم کسی پردہ نشین عورت کو میں نے ان سے زیادہ فصیح البیان نہیں دیکھا گویا کہ وہ حضرت علی (کرم اللہ وجھہ الکریم) کے خطیبانہ انداز بیان کی یاد تازہ کررہی تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو اشارہ فرمایا کہ خاموش ہوجاؤ۔ جب لوگ چپ ہوگئے تو آپ نے فرمایا:

''اہل کوفہ! مدد نصرت سے ہاتھ کھینچ کر اب رو رہے ہو، خدا کرے تمہارے آنسو کبھی نہ رُکیں اور نالہ وشیون کبھی نہ کم

ہو۔تمہارا حال مثل اس بے وقوف عورت کے ہے جس نے نہایت جانفشانی کے ساتھ دن بھر نہایت مضبوط سوت بٹا اور شام کو توڑ ڈالا۔تم نے یقیناً اپنے عہد توڑ دیئے مجھے یقین ہو گیا کہ تم لوگ گرجتے تو بہت ہو لیکن برستے کم ہو،تم لوگ نہایت کمزور اور جلد باز ہو،تم لوگوں کے قلوب پر بغض وکینہ کی بیماری ہے۔چاپلوسی میں لونڈیوں سے بدتر ہو،تم لوگوں کا حال بعینہٖ یہ ہے کہ جیسے گھوڑے کا چراگاہ یا خاک آلود چاندی کے ذرّات۔آگاہ ہو جاؤ تم نے نہایت زبردست گناہ کا ارتکاب کیا ہے،خدا کرے تم ہمیشہ روؤ اور کبھی ہنسنا نصیب نہ ہو۔مجھے یقین ہے کہ تم اپنی اس حرکت میں پانی کی کیچڑ کی وجہ سے نہیں پھسلے بلکہ تمہارا مقصود ہی فرزند رسول،گوہر معدن رسالت کو اپنے برہان کے دارومدار اور اپنی مشعلِ ہدایت اور جوانانِ جنت کے سردار کے خون کی دلدل میں پھنسانا تھا۔

اے اہل کوفہ!بربادی ہو تمہارے لئے تم نے نہایت نامعقول حرکت کی اور اپنے پروردگار کو بھی ناخوش کیا اور عذاب الٰہی میں بھی گرفتار ہو گئے،کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کس باعزّت فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کیا اور محترم بناتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا بے پردہ کیا ہے۔یقیناً تم نے نہایت سفیہانہ کاروائی کی،بہت ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان ٹکڑے ہو جائے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ سرنگوں ہو جائیں۔

یقیناً تم نے زمانہ بھر کی بے حیائی و بے شرمی کو مات کر دیا،میرا خیال ہے کہ آسمان سے خون کی بارش ہو جائے تو عجب نہیں۔لیکن یاد رکھو آخرت بھی کوئی چیز ہے اور اس دن بڑی رسوائی ہوگی ہرگز جہنم سے چھٹکارا حاصل کر کے عذاب الٰہی سے نجات نہ پاسکو گے،بیشک سب کا پالنہار بڑے غور سے ہر بات کو ملاحظہ کر رہا ہے۔"

اس بلیغ و فصیح خطبہ کے بعد حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) خیمہ میں چلی گئی۔راوی کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے تقریر ختم کی ہے لوگوں نے اپنے سر اور داڑھی کے بال نوچ ڈالے۔ایک پیر دیرینہ سال تو اس قدر رویا کہ آنسوؤں سے اس کی ساری داڑھی تر ہو گئی۔تھوڑی دیر کے بعد یہ شخص حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے قریب آکر عرض کرنے لگا کہ اے بنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں آپ کے خاندان کے بوڑھے آپ کی اُمت کے تمام بوڑھوں سے بہتر ہیں اور آپ کے خاندان کے جوان تمام جوانوں میں بہتر ہیں۔خدا آپ کی نسل کو ہمیشہ پھلا پھولا رکھے۔

جب سب کوفہ کی طرف جانے لگے تو حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کہنے لگیں۔"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اوپر آسمان کے فرشتے درود پڑھیں۔دیکھئے یہ حسین (رضی اللہ عنہ) خاک وخون میں لتھڑے ہوئے دست وپا بریدہ پڑے ہیں،ان کی

لڑکیاں قید کر لی گئی ہیں اور اولاد قتل کر دی گئی ان پر خاک اُڑ رہی ہے ۔حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے اس شیون کو سن کر دوست دشمن سب رونے لگے پھر جب آپ کو ابن زیاد کے سامنے لے جایا گیا تو آپ اس قدر معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھیں کہ کوئی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔عبداللہ بن زیاد نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت بیٹھی ہوئی ہے۔مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا اس طرح اس نے تین دفعہ پوچھا مگر آپ نے کسی مرتبہ بھی جواب نہیں دیا مگر آپ کی لونڈیوں میں سے کسی نے بتایا کہ یہ زینب بنت علی (رضی اللہ عنہا) ہیں اس نے کہا شکر ہے جس نے تم کو رسوا کیا اور تمہارے مردوں کو قتل کیا اور تمہاری آبرو مٹا دی۔حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) جواب دیتی ہیں:

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہماری، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے سے توقیر کی اور ہم لوگوں کو خوب پاک کیا۔یقیناً بہت جلد تجھ کو رسوائی اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔''

ابن زیاد پھر ہنس کر کہتا ہے کہ تمہارے خاندان والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔

آپ جواب دیتی ہیں:

''کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت عنایت کی اور کیا کیا؟''

اس گفتگو سے ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ تمہارے خاندان کے گمراہ سرکش اور نافرمانوں کے قتل سے میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔یہ سُن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا رو دیں اور فرمانے لگیں ۔خدا کی قسم تو نے ہمارے خاندان والوں کو قتل کر کے مستورات کو بے پردہ کیا اور بچوں کو نیست و نابود کر کے کیا لیا۔اگر اسی سے تیرے انتقام کی پیاس بجھ سکتی ہے تو ضرور تو اپنی پیاس بجھا لے۔پھر ابن زیاد نے ان سے کہا کہ یقیناً تم نہایت بہادر ہو اور خدا کی قسم تمہارے باپ بھی بہادر تھے۔حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) اس پر چپ نہ ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ایک عورت کو شجاعت سے کیا تعلق ہے۔

پھر ابن زیاد امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔انہوں نے جواب دیا۔علی بن حسین (امام زین العابدین کا نام ہے) پھر اس نے کہا کہ کیا علی بن حسین شہید نہیں ہوئے۔یہ خاموش رہے تو اس نے دریافت کیا کہ چُپ کیوں ہو گئے ۔یہ سُن کر وہ جواب دیتے ہیں کہ میرے دوسرے بھائی کا نام بھی علی بن حسین تھا مگر وہ اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔

یہ سُن کر ابن زیاد نے کہا کہ خدا کی قسم تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو یعنی تمہاری موت کا بھی وقت آ گیا ہے۔پھر ابن زیاد نے ایک شخص سے کہا کہ ذرا تحقیق کرو یہ لڑکا ابھی جوانی کی حد کو پہنچا ہے یا نہیں۔چنانچہ مری بن معاذ الاحمر نے

جستجو کی تو معلوم ہوا کہ جوان ہو گئے ہیں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کو بھی قتل کر دیا جائے۔ یہ سن کر امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ جب مجھے بھی شہید کر دو گے تو پھر ان عورتوں کی کون نگہداشت کرے گا۔ یہ سن کر حضرت زینب امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) سے لپٹ گئیں اور ابن زیاد سے پوچھنے لگیں۔ اے ابن زیاد جو کچھ ہو چکا کیا وہ تجھ کو کافی نہیں ہے؟ کیا تیری پیاس ہمارے خونوں سے ابھی تک بجھی نہیں ہے؟ کیا ہمارے خاندان کا ایک شخص بھی باقی رکھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر بے ساختہ امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کو لپٹا لیا اور ابن زیاد سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہے اور ان کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ان کے ساتھ مجھ کو بھی قتل کر دے، امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ اے ابن زیاد اگر تیری ان عورتوں سے کوئی قرابت ہے تو ان کے ہمراہ کسی پرہیزگار آدمی کو کر دے کہ وہ بر بنائے اخوت سفر میں ان کے ہمراہ رہے۔ ابن زیاد نے تھوڑی دیر حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کی طرف دیکھا پھر کہا کہ رشتہ بھی عجیب چیز ہے۔ خدا کی قسم میرا گمان ہے کہ اگر (امام) زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دوں تو زینب (رضی اللہ عنہا) کو بھی یہی مرغوب ہوگا کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ قتل ہو جائیں۔ اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ چلا جائے۔

جب اسیرانِ کربلا ملک شام میں یزید کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر مبارک اس کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اور حضرت سکینہ (رضی اللہ عنہا) نے اونچی ہو کر سر مبارک کو دیکھنا چاہا اور یزید کا یہ خیال کہ یہ سر مبارک کو نہ دیکھ سکیں۔

لیکن جب انہوں نے سر مبارک کو دیکھا تو چلا چلا کر رونے لگیں۔ ان کے رونے کی وجہ سے یزید کے گھر میں نالہ و شیون کی آواز بلند ہوگئی۔ حضرت معاویہ ر(رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادیاں بھی بے قرار ہو گئیں۔ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے جو حضرت سکینہ (رضی اللہ عنہا) سے عمر میں بڑی تھیں فرمایا افسوس ہے کہ آج رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیاں یزید کی قید میں ہیں۔ یہ سُن کر یزید نے کہا کہ اے میری بھتیجی تم لوگوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا میں اس کو نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

پھر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ ہمارے پاس اب ایک ہار تک بھی نہیں باقی رہا سب لوٹ لیا گیا۔ یزید نے کہا کہ جو کچھ تمہارا مال و اسباب لوٹا گیا ہے میں اس سے بہت زیادہ تم لوگوں کو دے دوں گا۔ اتنے میں کسی شامی نے کھڑے ہو کر یزید سے کہا امیر المومنین فاطمہ کو مجھے بخش دیجئے۔ یہ سُن کر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کا دامن پکڑ لیا اور چیخنے لگیں۔ حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ اے بدنصیب تو یہ کیا کہتا ہے کہ یہ نہ تجھ کو مل سکتی ہے نہ یزید کو۔ یہ سُن کر یزید کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اس لڑکی کو اپنے لئے خاص کر سکتا ہوں۔

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے جواب دیا۔خدا کی قسم ہرگز نہیں۔جب تک جان میں جان ہے یہ نہیں ہوسکتا۔

یزید نے غضبناک ہوکر کہا کہ ایسا سخت مجھ کو جواب دیتی ہو۔حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے برجستہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ بھائی اور نانا کے دین کی وجہ سے تجھ کو اور تیرے باپ دادا کو ہدایت دی۔یزید نے کہا کہ اے دشمن خدا جھوٹ بولتی ہے۔

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ تو بادشاہ ہوکر گالی بکتا ہے اس وقت تیرے پنجۂ ظلم میں ہم لوگ گرفتار ہیں جو تیرا جی چاہے کہہ لے۔

اس کلمہ سے یزید شرمندہ ہوکر خاموش ہوگیا۔ان واقعات سے حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کی شجاعت کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کی قبر شریف کے متعلق اختلاف ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دمشق میں ہے اور بعض لوگ مصر میں بتلاتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے۔مصر میں حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے مزار کے متعلق ایک بہت بڑا وقف بھی ہے۔مزار کے متعلق ایک مسجد بھی ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ اس مسجد سے بہتر ملکِ مصر میں دوسری مسجد نہیں ہے۔

مزار شام کا حال

شام (سوریا) میں آپ کے مزار کی شہرت یقینی ہے کہ اس میں شک وشبہ کا تصور نہیں یہاں تک کہ وہاں کا بڑا علاقہ زینبیہ کے نام سے موسوم ہے۔ایک بزرگ مزار کے اندر چلے جاتے تو انہیں بی بی زینب نے خواب میں فرمایا کہ پردہ کا خیال کرو۔(زیارات الشام)

فقیر نے اپنے ''سفرنامہ شام وعراق'' میں تحقیق وتفصیل لکھی ہے۔اس کا مطالعہ کیجئے۔

آمنہ رملیہ رضی اللہ عنہا

اسلام میں اگرچہ ایسی صدہا خواتین پیدا ہوئیں جنھوں نے نورِ نبوت سے منور ہوکر سارے عالم کو اپنی علمی اور عملی کرنوں سے جگمگایا اور چمکایا جن کا زیادہ تر حصہ عہد مبارک نبی اسلام کے دور اوّلیں میں گذرا۔جس حصے نے خود چشمۂ رسالت سے فیض حاصل کیا جو پھر آسمان عروج وکمال پر مہر وماہ بن کر چمکا۔اس پر مسلمان جس قدر فخر کریں وہ کم اور بالکل کم ہے۔لیکن الحمدللہ کہ اسلام کے لانے والے ہمارے آقا ومولا ہمارے ہادی ورہنما محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے علم وعمل ہدایت ومعرفت کا وہ نشہ اپنے پیروکاروں میں نہیں چھوڑا تھا۔جو نعوذ باللہ صدی دو صدی میں ختم ہوکر نقش برآب ثابت ہوتا

بلکہ وہ دائمی اثر چھوڑا جس سے متاثر ہو کر ساری کائنات کیلئے شراب حقیقت کے ساقی بنیں گے اور نہ معلوم اس کی روشنی سے روشن ہو کر کتنوں کو روشن اور تابناک بنائیں گے۔ انہی وابستگان اسلام سے ایمان اور علم وعمل کی ایک حقیقی تصویر حضرت آمنہ رملیہ (رحمتہ اللہ علیہا) بھی تھیں جنہوں نے اپنی زندگی اور اپنی قابل فخر سیرت سے دنیا کو دکھا دیا کہ معمولی حیثیت کی عورت بھی اللہ کی راہ میں محبت اور مجاہدہ کے بعد کس مرتبہ پر پہنچ سکتی ہے۔ عروج وترقیاں اور فضائل ومراتب کس طرح ان کے قدموں پر گرتے ہیں۔

پیدائش

دوسری صدی ہجری میں جب کہ ایک عالم میں اسلامی علوم وفنون کی نہریں بہہ رہی تھیں اور ربع ملکوں کا ایک کثیر حصّہ اس سے سیراب ہو رہا تھا۔ رملہ نامی ایک مقام میں جو بغداد کے نواح میں واقع تھا۔ تقریباً ۱۶۳ھ میں یہ پیدا ہوئیں۔ والدین غریب تھے اور نہایت ہی غریب اور اس قدر معمولی حیثیت کے آدمی کہ بالکل غیر معروف اور نا معلوم بچپن کی ابتدائی منزلیں گھر ہی میں گزریں۔ جب ذرا بڑی ہوئیں تو اپنی والدہ کے ساتھ مکہ مکرمہ حج کے سلسلہ میں گئیں۔ مکہ مکرمہ اس وقت علم وعمل کا مرکز اور اسلامی جواہرات کا خزانہ تھا۔ مگر تاہم بہت سے کبار تابعین اب بھی تشریف فرما تھے جن کا علمی بازار اپنی پوری سرگرمی اور اپنے پورے شباب پر تھا۔ آپ ابتدا ہی سے نہایت ذہین اور ذکی تھیں اور علم کی طالبہ اور شوق رکھنے والی تھیں۔ اُس زمانہ میں خواتین بھی اسی طرح علم سیکھتیں جس طرح مرد سیکھتے۔ البتہ عورتیں پردہ میں بیٹھ کر علم حاصل کرتیں۔ مسجد حرام میں ایک بزرگ تابعی کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئیں اور ایک عرصہ تک علم قرآنی سے مالا مال ہوتی رہیں جب ان کا انتقال ہو گیا تو مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ یہ زمانہ حضرت امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) کا تھا اور اس زمانہ میں ان کے علم اور اجتہاد کا طوطی بول رہا تھا۔ ایک مدت تک آپ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث حاصل کیا اور بہت سی روایات کو زبانی حفظ کر لیا۔ حافظ ابن عبداللہ نے ان کی زبانی روایات کا اندازہ سو لگایا ہے۔ غرض یہ کہ ایک زمانہ تک اسی طرح علم حدیث حاصل کرتی رہیں جب آپ کو اس میں کمال حاصل ہو گیا تو علم فقہ کی تحصیل کا ذوق پیدا ہوا چنانچہ اس زمانہ کے سب سے مشہور عالم وفقیہ امام حضرت امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں ۱۹۹ھ میں مکہ مکرمہ آئیں اور تھوڑے دن رہ کر اپنی اس تشنگی کو بھی بجھایا پھر جب امام صاحب مذکور مصر چلے گئے تو آپ کوفہ آئیں۔ یہاں علوم شریعہ کے کئی جاننے والے موجود تھے ان سے استفادہ کیا اور ایک طویل مدت کے بعد فاضلہ وطن ہو گئیں۔ اس وقت آپ علوم شریعہ کی ان قابل فخر عالم خواتین سے تھیں کہ عالم

نسواں کو چھوڑیئے مردوں کے گروہ کے گروہ آپ سے علم سیکھنے کی درخواست کرتے اور فخر کرتے کہ ہم میں وہ خاتون پیدا ہوئیں کہ علوم کا سرچشمہ اور حقیقت و معرفت کا نمونہ ہے۔ آپ کی زندگی کا یہ وہ کامیاب اور مبارک کارنامہ ہے جو سارے عالم کی عورتوں کے لئے عموماً اور مسلمان عورتوں کے لئے خصوصاً قابل تقلید اور قابل عمل نمونہ ہے یعنی ایک کمزور اور ضعیف خلقت سے تعلق رکھنے کے باوجود کس طرح علم سیکھا اور اس کی طلب و جستجو میں کس طرح صرف کیے؟ پھر علم و علماء کے اس درجہ پر آپ پہنچ گئیں۔ یہ تمام واقعات اپنے اندر کافی عبرت اور بصیرت کے سامان رکھتے ہیں اور خواتین کو اب بھی پکار پکار کر علم دین کی دعوت دے رہے ہیں۔

اصلاح باطن کی فکر

آپ ان برگزیدہ خواتین میں سے تھیں جن کا اصول تھا کہ علم عمل کے لئے ہے نہ کہ علم، علم کے لئے۔ جس طرح کسان کھیتی کرتا ہے، جوتا ہے بوتا ہے نگرانی کرتا ہے، پانی دیتا ہے اور دن رات محنت مشقت کرتا ہے۔ اس سے اس کا مطلب صرف درخت اگانا اور ہری بھری کھیتی کر لینا نہیں ہوتا ہے بلکہ ان تمام محنت اور کاوشوں کا مفہوم غلّہ بھرنا ہوا کرتا ہے۔ تاکہ اس سے انسان اور حیوان کا رزق مہیا ہو اور اس کی محنت پھل ہو۔ لیکن کوئی شخص درخت اُگنے اور سبزی ہی کو اصل مقصد قرار دے تو یقیناً تحصیل رزق کے لحاظ سے اس کی ساری محنت رائیگاں اور فضول ہے۔ یہی حال علم کا ہے علم کا تنہا مقصد یہ ہے کہ اس سے انسان انسان بن سکے اور عمل کی صلاحیت پیدا ہو سکے اور جس قدر کام کیے جائیں وہ علم کی روشنی میں کیے جائیں۔ تاکہ صحیح اور درست ہو سکیں۔ لیکن اگر کوئی علم کو علم ہی کے لئے سیکھے اور عمل نہ کرے تو یقیناً یہ علم بے کار اور بے فائدہ ہے۔

آپ اس زرّیں اصول کے تحت تحصیل علم کے بعد تکمیل علم کو کوشاں ہوئیں۔ بغداد اس زمانے میں دارالخلافہ تھا بڑے بڑے علماء و فضلاء اور اہل وطن حضرات کا مرکز تھا۔ ۲۰۹ھ میں آپ نے بغداد کا سفر کیا اور ایک کامل درویش سے ملاقات ہوئی۔ دل باغ باغ ہوا، تھوڑے ہی دنوں کی تعلیمات نے وہ اثر کیا کہ وہ سارا علم ظاہری علم باطن میں تبدیل ہو گیا اور اب آپ کی اور ہی حالت ہو گئی۔

عبادت و مجاہدہ

کہاں آپ کو اپنے علم پر غرور تھا کہاں اب عاجزی و انکساری کہاں وہ حالت تھی کہ ہر وقت اپنے علم کے چرچے اور تذکرے اور کہاں اب گریہ وزاری، عبادتیں کرتیں تو معلوم ہوتا کہ ایک ستون کھڑا ہے، سجدہ کرتیں تو معلوم ہوتا کہ ایک

پھر پڑا ہے عرصۂ دراز تک یہ حالت رہی ۔ رفتہ رفتہ دور ونزدیک آپ کے چرچے ہونے لگے۔اور بڑے بڑے بزرگ آپ کی زیارت کو آنے لگے ۔مگر آپ خفا ہوتیں اور کہہ دیا کرتیں میں تو ایک گنہگار بندی ہوں ۔ مجھ کو تو کچھ بھی نہیں آتا۔ایک عرصہ تک آپ کی یہی حالت رہی۔ سات حج پیدل کئے اور سارا مال واسباب اللہ کی راہ میں دے ڈالا۔سال کے اکثر حصہ میں روزہ رکھتیں اوردن رات کے اکثر حصہ میں نمازیں پڑھتیں ۔ایک بار حضرت بشر جو کہ اپنے زمانے کے مشہور اہل دل بزرگوں میں سے تھے تشریف لائے آپ نے ان کی بڑی خاطر وآؤ بھگت کی ۔رات کو جب سونے لگیں تو فرمایا کہ اے بشر!میں سوتی ہوں مگر دل نہیں سوتا۔حضرت بشر فرماتے ہیں کہ میں آپ کی عبادت کو دیکھنے کے لئے بظاہر سو گیا مگر درحقیت جاگ رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ نصف رات جب ہوگئی تو اٹھیں اور وضو کیا اوران پیارے الفاظ میں رات کے سناٹے میں دعائیں مانگیں:

"اے سارے عالم کے پیدا کرنے والے!تیری نعمتیں بے شمار ہیں مگر کس قدر ظالم ہیں وہ جوان کی قدر نہیں کرتے ،تو کس قدر رحم کرنے والا ہے!مگر کیسے نادان ہیں جو ان سے غافل ہیں،تو کتنا محبت کرنے والا ہے!مگر دنیا تجھ کو بھولی ہوئی ہے،ساری کائنات سے زیادہ محبوب !میری عزت تیرے ہی ہاتھ میں ہے،خداوندا!قیامت میں مجھے سب کے سامنے رسوانہ کرنا،کہ اگر ایسا کیا تو لوگ یہی کہیں گے،خدا نے اپنی محبت کرنے والی بندی کو رسوا کیا،اے محبوب!کیا تو اس کو گوارا کرے گا،جان لے!اگر تو نے اس کو گوارا کیا تو میں اس کو ہر گز ہر گز گوارا نہ کروں گی کہ لوگ تجھے الزام دیں۔"

(مصباح السلوک،ج۲)

حضرت بشر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی ۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انتہائی مجرم کسی انتہائی پُر رعب وجلال حاکم کے سامنے کھڑا ہے جب رکوع میں جاتیں تو معلوم ہوتا کہ کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں جارہی ہیں یا کسی حاکم اعلیٰ کے سامنے اپنے جرموں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا سر اوراس کے ساتھ سارا جسم جھکا دیا اور حضرت بشر کہتے ہیں آپ رکوع وسجود میں مصروف تھیں اور آنکھیں اشک ریزی میں منہمک اور آنسوؤں کا یہ حال کہ آنکھوں سے بہہ بہہ کر کپڑے اور زمین کو تر کر رہے ہیں۔

آپ کا یہ طریقہ روزانہ کا تھا اور صبح تک یہی حالت جاری رہتی ۔اِدھر سے گریہ وزاری،دعا،مناجات،عبادت وریاضت،عشق ومحبت اور اُدھر سے رحمت ومغفرت،نعمت وبرکت،رضاوخوشنودی اور قبول اجابت۔

(طبقات الصالحات)

تقویٰ اور بے رغبتی

یہ تو ان کی عبادت اور توجہ الی اللہ کا مرتبہ تھا، دنیا طلبی اور مال و دولت انسان کی آزمائش کے لئے بڑی چیزیں ہیں اور بڑے بڑے لوگ بعض اوقات اس میں مبتلا ہو کر اپنا بہت کچھ کھو دیا کرتے ہیں۔ایک بار ایسا ہی موقع آپ پر بھی پڑا۔کسی امیر نے جب آپ کی ریاضت و تقویٰ کا حال سنا تو اس نے دس ہزار اشرفیاں نذر کرنا چاہیں۔آپ نے ان کو لینے سے انکار کر دیا پھر اس نے اصرار کیا آپ نے پھر انکار کیا، پھر اس نے لینے کو کہا اس بار آپ نے لے لیں، لیکن اسی وقت عام منادی کرا دی کہ جس کسی کو جس قدر روپے کی ضرورت ہو مجھ سے آ کر لے جاؤ۔چنانچہ تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا شام ہوتے ہوتے گھر میں ایک پیسہ بھی نہ بچا۔حالانکہ اس دن آپ کے ہاں فاقہ تھا...... یہ تھی آپ کی دنیا سے بے رغبتی اور یہ تھا آپ کا توکل اور آپ کا دستور تھا کہ کسی کے ہاں کا کھانا نہ کھاتیں کہ مبادہ اس میں مال حرام یا لقمۂ مشتبہ کا جز شامل ہو۔ اِلّا یہ کہ کسی کی حالت معلوم ہوتی کہ یہ متقی اور پرہیزگار ہے اس کے ہاں سے کھانا کھانے کا پرہیز نہ فرماتیں۔ (طبقات الصالحات، تذکرہ رابعہ)

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ یا حضرت! کچھ نصیحت فرمایئے۔آپ نے جن قیمتی خیالات کا، جس حکیمانہ انداز میں اظہار کیا وہ ہمیشہ سونے کے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔آپ نے فرمایا:

ان کان اللّٰہ قد تکفل بالرزق فاھتما مک لماذا ؟ وان کان الخلف علی اللّٰہ حقًا فا لبخل لماذا؟ وان کانت الجنۃ حقًا فالراحۃ لماذا؟وان کان النّار حقًا فالمعصیۃ لماذا؟وان کان کل شئی بقضا وقدر فالخوف لماذا؟

ترجمہ: اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے رزق کی ذمہ داری لی ہے تو پھر تیرا تفکر کس لئے ہے؟ اور اگر ہر چیز کے بعد اس کی قائم مقامی حق ہے تو بخل کیوں ہے؟ اور اگر جنت حق ہے تو راحت کیوں ہے؟ اور اگر دوزخ سچ ہے تو گناہ کیسا؟ اور اگر ہر چیز قضاوقدر سے ہے تو پھر ڈر کس کا؟"

کمال فضیلت

آپ کا مرتبہ نہایت ہی بلند اور درجہ نہایت ہی اونچا تھا حتیٰ کے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے پایہ کے بزرگ جو چوتھے مصلے کے امام اور امام شافعی کے شاگرد ہیں۔آپ کے استاد امام شافعی آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ گو میں بغداد سے مصر آ گیا مگر بغداد میں احمد بن حنبل (رحمتہ اللہ علیہ) سے زیادہ متقی اور عالم کسی اور کو نہیں چھوڑا۔

(ادبیات اللغۃ العربیہ جلد اول: ص ۷۹، تذکرہ احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ)

وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے، ایک بار آپ بیمار ہوئیں حضرت بشر (رحمته الله علیه) اور امام احمد (رحمته الله علیه) آپ کو دیکھنے آئے۔ امام صاحب نے فرمایا اے بشر! میرے لئے دعا کرا دیجئے۔ انہوں نے حضرت رملیہ سے عرض کیا کہ امام دعا کرانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! بشر اور احمد تیری دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں تو ان کو اس سے محفوظ رکھنا۔ حضرت امام احمد خود فرماتے ہیں کہ اسی رات کو آسمان سے ایک پرچہ گرا جس میں بسم الله الرحمن الرحیم کے بعد لکھا تھا "ہم نے قبول کیا اور ہمارے پاس بہت سی نعمتیں ہیں"۔ اللہ اللہ کیا مرتبہ تھا اور کیا بزرگی۔

نتیجہ

ان تمام واقعات سے عبرت لینا چاہئے ایک معمولی لڑکی کو آخر اس قدر مرتبہ کیوں عطا ہوا۔ امام احمد جیسے بزرگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور دعا کی درخواست کرتے اور پھر قبول ہوتی تو اس طرح کہ کرامت سے بڑھ کر کرامت ہوئی! بزرگی سے بڑھ کر بزرگی ہوئی! لاریب یہ سب مراتب اور یہ سب درجات اللہ تبارک وتعالیٰ کی تابعداری اور اس سے محبت کی وجہ سے ہیں۔ اب بھی راستہ کھلا ہے اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلا رہا ہے یہ اور اس قسم کے صدہا مراتب انتظار میں ہیں۔

اختتامیہ

اس طرح کی ہزاروں حکایات کتب تاریخ میں موجود ہیں اور آج کل بھی اس طرح کی خواتین ہمارے ہاں تیار ہو سکتی ہیں لیکن افسوس کہ مسلمان کا رخ کدھر ہو گیا۔ اس نے اپنی پیاری بچیوں کو کالج کی گندی اور متعفن ٹوکری میں پھینک دیا۔ پھر وہی ہوا جو ہونا تھا۔

پڑھئے فقیر کی کتاب "کالج اور لڑکی" کاش آج ہم اگر اپنی بچیوں کو اسلامی علوم میں لگائیں تو ان میں بھی وہی جوہر موجود ہے جو رابعہ بصریہ اور آمنہ رملیہ میں تھا۔

اللہ ہمیں راہِ راست نصیب فرمائے۔ اور ہر عورت کو "اچھی ماں" بننے کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری ابوالصالح **محمد فیض احمد اویسی رضوی** غفرلہٗ

بہاولپور، پاکستان۔

☆..........☆..........☆

☆..........☆

☆